بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمال و حسن قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

ماہنامہ

الفرقان

ربوہ پاکستان

جلد ۹ — جون جولائی ۱۹۵۹ء — شمارہ ۶-۷

حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کا ارشاد

"میرے نزدیک الفرقان جیسا علمی رسالہ تیس، چالیس ہزار بلکہ لاکھ تک چھپنا چاہیئے اور اس کی بہت وسیع اشاعت ہونی چاہیئے"۔ (الفضل ۵ رجنوری ۱۹۵۶ء)

سالانہ چندہ

پاکستان و بھارت .. .. پانچ روپے

دیگر ممالک .. .. دس شلنگ

ایڈیٹر

ابو العطاء جالندھری ربوہ پاکستان

ملفوظاتِ طیبہ

بڑا کون ہے؟

جماعت احمدیہ کے لئے حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السّلام کی قیمتی نصائح

"شروع میں ہی اللہ تعالیٰ نے ہم کو تقویٰ کی تعلیم دے کر ایک ایسی کتاب ہم کو عطاء کی جس میں تقویٰ کے وصایا بھی دیئے۔ سو ہماری **جماعت** یہ غم کُل دنیوی غموں سے بڑھ کر اپنی جان پر لگائے کہ ان میں تقویٰ ہے یا نہیں۔ **اہلِ تقویٰ** کے لئے **یہ شرط** ہے کہ وہ اپنی زندگی **غربت** اور **مسکینی** میں بسر کریں۔ یہ تقوٰے کی ایک شاخ ہے جس کے ذریعہ ہمیں ناجائز غضب کا مقابلہ کرنا ہے۔ بڑے بڑے **عارف** اور **صدیقوں** کے لئے آخری اور کڑی **منزل غضب سے بچنا** ہی ہے۔ عُجب و پندار غضب سے پیدا ہوتا ہے اور ایسا ہی کبھی خود غضب عُجب و پندار کا نتیجہ ہوتا ہے۔ کیونکہ غضب اس وقت ہوگا جب انسان اپنے نفس کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے۔ **مَیں نہیں چاہتا کہ میری جماعت والے آپس میں ایک دوسرے کو چھوٹا یا بڑا سمجھیں** یا ایک دوسرے پر غرور کریں یا نظرِ استخفاف سے دیکھیں **خدا جانتا ہے کہ بڑا کون ہے یا چھوٹا کون ہے**۔ یہ ایک قسم کی تحقیر ہے جس کے اندر حقارت ہے۔ ڈر ہے کہ یہ حقارت بیج کی طرح بڑھے اور اس کی ہلاکت کا باعث ہو جاوے۔ بعض آدمی بڑوں کو مل کر بڑے ادب سے پیش آتے ہیں۔ لیکن **بڑا وہ ہے جو مسکین کی بات مسکینی سے سُنے۔ اس کی دلجوئی کرے۔ اس کی بات کی عزت کرے**۔ کوئی چِڑ کی بات مُنہ پر نہ لاوے کہ جس سے دُکھ پہنچے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم يتب فاولٰئك هم الظالمون۔ تم ایک دوسرے کا چِڑ کے نام نہ لو۔ یہ فعل **فساق و فجار** کا ہے جو شخص کسی کو چِڑاتا ہے وہ نہ مریگا جب تک وہ خود اسی طرح مبتلا نہ ہوگا۔ اپنے بھائیوں کو حقیر نہ سمجھو۔ جب **ایک ہی چشمہ** سے کُل پانی پیتے ہو تو کون جانتا ہے کہ کس کی قسمت میں زیادہ پانی پینا ہے۔ مکرّم و معظّم کوئی **دنیاوی اصولوں** سے نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑا وہ ہے جو **متقی** ہے۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ان اللہ علیم خبیر۔"

(ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام ص ۳۴)

جلد ۹ | الفرقان ربوہ (پاکستان) جون جولائی ۱۹۵۹ء / ذوالحجہ ۱۳۷۸ھ و المحرم ۱۳۷۹ھ | شمارہ ۶-۷

مندرجات

نمبر	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	"بڑا کون ہے ؟"	حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات طیبہ	بالمقابل ٹائٹل
۲	پادری صاحبان سے تازہ دلچسپ تبادلۂ خیالات ــــ نجات کے متعلق مسیحی اور اسلامی نقطۂ نگاہ ــــ	ایڈیٹر	ص۱
۳	جماعت احمدیہ قادیان کی خدمات اسلام کا ایک پہلو ــــ مدیر "دعوت" دہلی کی خدمت میں ایک مناسب تجویز ــــ	"	ص۱۹
۴	زمانۂ مسیح موعود کی دو عظیم الشان علامتیں ــــ افراط زر اور اونٹ سے تیز رو سواریوں کی ایجاد ــــ	"	ص۲۲
۵	عیدالاضحیٰ کی قربانیاں	حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے کے قلم سے	ص۲۵
۶	مولانا غلام مرشد صاحب کا خطبۂ عید قربان	جناب مولانا سید محمد داؤد صاحب غزنوی	ص۲۹
۷	شب برات کی حقیقت (تائید تعاقب)	جناب حکیم مبارک احمد خان صاحب امین آبادی	ص۳۲
۸	البیان (قرآن مجید کا سلیس اردو ترجمہ مختصر اور مفید حواشی کے ساتھ)	ابوالعطاء جالندھری	ص۳۷
۹	انسانی قلوب کی ہدایت آسمانی ہاتھ کے بغیر ناممکن ہے ــــ ایڈیٹر المنبر کے مضمون پر ہمارا جواب ــــ	ایڈیٹر	ص۴۱
۱۰	صلاۃ و سلام (عربی نظم)	جناب السید حسن محمد افندی ابراہیم الحسینی سیرالیون (مغربی افریقہ)	ص۴۹
۱۱	مجھے دیکھ طالب منتظر مجھے دیکھ شکل مجاز میں (اردو نظم)	حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے افکار عالیہ	ص۵۰
۱۲	بہائی صاحبان کے اعتراضات کے جواب ــــ ایک کشمیری رسالہ پر نظر ــــ	ایڈیٹر	ص۵۱
۱۳	حضرت مسیح علیہ السلام کے گم شدہ فرامین کی دریافت	ترجمہ عطاء الکریم شاہد	ص۵۴
۱۴	مقام محمد صلے اللہ علیہ وسلم (فارسی نظم)	جناب مولوی ظفر محمد صاحب منشی فاضل	ص۵۶
۱۵	کتاب "حرف محرمانہ" پر تبصرہ	ایڈیٹر	ص۵۹
۱۶	شذرات	"	ص۶۳

رسالہ الفرقان کا سالانہ اشتراک پاکستان و بھارت کے لئے پانچ روپے ہے۔ دیگر ممالک سے دس شلنگ۔
اس نمبر کی قیمت ــــ ۱۲/

الفرقان کی تاریخ اشاعت ہر ماہ کی پانچ تاریخ مقرر ہے کاغذ کا پرمٹ دیر سے ملنے کے باعث جون و جولائی کا رسالہ اکٹھا جولائی کو شائع ہو رہا ہے۔ اگلا نمبر پانچ اگست کو حسب دستور شائع ہوگا۔ انشاء اللہ (مینیجر)

پادری صاحبان سے تازہ دلچسپ تبادلہ خیالات

نجات کے متعلق مسیحی اور اسلامی نقطۂ نگاہ

مشنری برکت۔ اے خان صاحب سیالکوٹ اور پادری ہینگامل صاحب گوجرانوالہ اپنے تین ساتھیوں سمیت ۲۰ جون ۱۹۵۶ء کو ربوہ آئے۔ انہوں نے آنے سے پیشتر بذریعہ خطوط ہمیں اپنے پروگرام سے مطلع کر دیا تھا۔ انہوں نے لکھا تھا کہ ہم جماعت احمدیہ کے مرکز میں مرکزی دفاتر اور انتظامی طریق کار کو دیکھنے کے علاوہ آپ لوگوں سے خطاب بھی کریں گے۔ اور آپ کو نجات کی بشارت دیں گے اور آپ سے اسلامی نجات کے متعلق سنیں گے اور اپنے شکوک و شبہات پیش کر کے ان کے جواب لیں گے۔

پادری صاحبان کا یہ دورہ اس لحاظ سے قابل توجہ تھا کہ یہ لوگ اپنے خیالات کی اشاعت اور مسیحیت کی تبلیغ کیلئے جد و جہد کرتے رہتے ہیں تاہم یہ موقعہ ایک نجی حیثیت رکھتا تھا۔ پادری صاحبان آئے اور انہوں نے مرکزی دفاتر اور بعض دیگر مقامات دیکھے۔ جہاں تک ممکن تھا بطور مہمان ان کی خاطر و تواضع کی گئی۔ ان کی اس خواہش کو بھی پورا کیا گیا کہ ان کی بشارات سنی جائے اور انہیں اسلامی نجات کے بارے میں ان کے سوالات کے جوابات دیئے جائیں۔ چنانچہ بعد نماز ظہر ان کے مقرر کردہ طریق پر تبادلۂ خیالات کیا گیا۔ مہمان خانہ کے کمرہ میں حاضرین کے لئے گنجائش کی کمی کے باعث یہ دلچسپ گفتگو مسجد مبارک میں ہوئی اور قریباً تین گھنٹے تک جاری رہی۔

احباب کی خواہش کے مطابق ہم اس گفتگو کی مختصر روداد ذیل میں درج کرتے ہیں۔ مقرر یہ تھا کہ پہلے آدھ آدھ گھنٹہ دونو طرف سے تقریریں ہوں گی اور پہلی تقریر عیسائی صاحبان کی ہوگی چنانچہ مشنری برکت۔ اے خان صاحب نے پہلی تقریر کی مگر انہوں نے صرف پندرہ منٹ تک اپنا مطبوعہ ٹریکٹ "خوشخبری" پڑھ کر سنا دیا۔ اس ٹریکٹ کا مضمون یہ ہے کہ:۔

(الف) "سب آدم زاد گناہ گار ہیں صرف مسیح بے گناہ ہے اسلئے وہی واحد نجات دہندہ ہے"!

(ب) گناہ شرع کی مخالفت کا نام ہے۔ گناہ اس فعل کا نام ہے جو خدا اور انسان کے رشتۂ محبت میں خلل اور جدائی پیدا کر دیتا ہے"۔

(ج) شفاعت یا سفارش سے گناہ معاف ہونے کا خیال کسی مقدس کتاب سے ثابت نہیں۔

(د) "نبیوں اور فرشتوں کی پاکیزگی اور راستبازی دنیا کے نجات دہندہ ہونے کی ہرگز دلیل نہیں۔ کیونکہ ان کی راستبازی اور پاکیزگی صرف ان کی اپنی ذات تک محدود ہے اسی لئے انہوں نے کبھی کسی شخص یا قوم کے نجات دہندہ ہونے کا دعویٰ اور اعلان نہیں فرمایا"!

(ذ) "یہودی علماء نے خداوند یسوع مسیح کے نجات دہندہ ہونے کی مخالفت میں ٹھوکر کھائی اور اسے پکڑ کر باندھ لیا اور اس پر موت کا فتویٰ لگا کر رومی حاکم پیلاطوس کے حوالہ کیا اور اس کو مجبور کیا کہ وہ یسوع کو مصلوب کر کے مار ڈالے۔ چنانچہ رومی حاکم کے انتظام کے ماتحت یسوع مسیح مصلوب کیا گیا۔"

ماسٹر برکت اے خان کے ٹریکٹ سُنانے کے بعد خاکسار ابوالعطاء نے آدھ گھنٹہ تک نجات کے متعلق مسیحی اور اسلامی نقطۂ نگاہ پیش کیا۔ میں نے امورِ ذیل بوضاحت بیان کئے:۔

اوّل۔ عیسائی صاحبان عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہر بچہ پیدائشی طور پر گناہ گار ہوتا ہے اسلئے ان کا بڑا مقصد یہ ہے کہ گناہ سے نجات مل جائے۔ حالانکہ یہ ایک **منفی مقصد** ہے کہ انسان سزا سے بچ جائے۔ مگر اسلام جو دینِ فطرت ہے اس کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر بچہ خواہ وہ عیسائی یا یہودی والدین سے پیدا ہو وہ پاک پیدا ہوتا ہے۔ بے گناہ ہوتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیر محدود ترقی کرنے والی قوتیں اور استعدادیں بخشی جاتی ہیں۔ اسلئے اسلامی نقطۂ نظر یہ ہے کہ انسان کو نہ صرف گناہ اور سزا سے بچنا چاہیئے بلکہ اسے **مثبت مقصد** یعنی کمالاتِ روحانیہ کے حصول اور قربِ ربانی میں ارتقاء کو اپنا **نصب العین** بنانا چاہیئے۔ اسلام صرف نجات یعنی سزا سے بچنے کی بشارت نہیں دیتا بلکہ وہ فلاح اور **فوز** یعنی کمالات کے حصول اور روحانی سرفرازی کی بھی خوشخبری دیتا ہے۔

دوم۔ پادری صاحبان کا یہ نظریہ درست نہیں کہ حضرت آدمؑ نے گناہ کیا لہذا ساری نسلِ انسانی گناہ گار بن گئی۔ اسلئے کہ یہ نظریہ انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ باپ کے گناہ کرنے سے بیٹے کیونکر گناہ گار بن گئے؟ نیز یہ کتاب مقدس کے بھی خلاف ہے۔ ٹریکٹ "خوشخبری" صفحہ ۲ پر حزقیل ۱۸/۴ کے حوالے سے لکھا ہے:۔

"جو جان گناہ کرتی ہے وہی مریگی"

سوم۔ یہ دعویٰ بھی سراسر غلط ہے کہ صرف حضرت مسیح بے گناہ ہیں۔ بائیبل نے صدہا انسانوں کو معیّن طور پر بے گناہ ثابت کیا ہے۔ مثال کے طور پر ایک حوالہ پیش ہے۔ حضرت زکریاؑ اور ان کی بیوی کے بارے میں انجیلی شہادت یوں ہے کہ:۔

"وہ دونوں خدا کے حضور راستباز اور خداوند کے سب احکام و قوانین پر بے عیب چلنے والے تھے" (لوقا ۱/۶)

کیا کوئی پادری حضرت مسیحؑ کے بارے میں اس سے بڑھ کر الفاظ بائیبل سے پیش کر سکتا ہے؟

پھر خود ماسٹر برکت اے خان نے اپنے ٹریکٹ میں "نبیوں کی پاکیزگی اور راستبازی" کو تسلیم کیا ہے۔ گویا خود اس ٹریکٹ میں **تضاد** موجود ہے۔

چہارم۔ مسلمانوں کا یہ درست اعتقاد ہے کہ جملہ انبیاء معصوم اور بے گناہ ہیں۔ اور چونکہ اسلامی عقیدہ کے رُو سے حضرت مسیحؑ بھی برگزیدہ نبی تھے اسلئے مسلمان ان کو بھی دیگر نبیوں اور رسولوں کی طرح معصوم اور بے گناہ مانتے ہیں۔ مگر پادری صاحبان کی **ستم ظریفی** ہے کہ وہ مسلمانوں کے اس عقیدہ سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں یعنی وہ یہ کہنے لگ جاتے ہیں کہ صرف مسیحؑ بے گناہ ہیں اور باقی سب نبی گناہ گار تھے اور پھر انبیاء کرام پر بے جا نکتہ چینی شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر منکرین کے عقیدہ کو مدِّنظر رکھا جائے بلکہ اگر خود عیسائیوں کی موجودہ بائیبل کو بھی دیکھا جائے تو حضرت مسیحؑ کا یہ مقام ثابت نہیں ہوتا۔ یہ تو قرآن مجید کا **احسان** ہے کہ اس نے حضرت مسیحؑ کی تطہیر فرما کر انہیں معصوم اور بے گناہ نبیوں کے زمرہ میں شامل فرمایا۔ کیا اس کا یہ بدلہ دینا کہ اب سب نبیوں کو گناہ گار ٹھہرایا جائے کسی طرح بھی مناسب ہے؟ خود پادری صاحبان اپنے موقف پر نظرِ ثانی فرمائیں۔

پنجم۔ گناہ کی تعریف پادری صاحبان نے یوں کی ہے:۔

"گناہ اس فعل کا نام ہے جو خدا اور انسان کے رشتۂ محبت میں خلل اور جدائی پیدا

کر دیتا ہے۔"

یہ دل کی کیفیت ہے۔ گویا گناہ وہ زہر ہے جو دل سے پیدا ہوتا ہے۔ اب اس کا تریاق عقلاً دل سے ہی پیدا ہونا چاہیئے۔ گویا سچی ندامت اور حقیقی توبہ انسان کے گناہ کا ازالہ کر سکتی ہے۔ پس گناہ سے نجات حاصل کرنا خود انسان کے اختیار میں ہے۔ گناہ اور اس کے ازالہ کے طریق میں تطابق ضروری ہے۔ گناہ کے ازالہ اور حضرت مسیح یا کسی اور کی صلیبی موت یا قتل میں کوئی مطابقت نہیں۔ اگرچہ یہ بات ثابت نہیں کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت ہو گئے تھے اسلئے اسے کفارہ کی بنیاد قرار دینا غلط ہے لیکن اگر بالفرض ایسا واقعہ ہوتا تب بھی حقیقت گناہ اور صلیبی موت میں کوئی جوڑ ثابت نہیں۔ سچ یہی ہے کہ جس طرح دل سے گناہ کا زہر پیدا ہوتا ہے اسی طرح اس کا تریاق بھی دل سے پیدا ہوتا ہے۔ ماں بچے کی کسی غلطی سے اس سے ناراض ہو جاتی ہے اور ماں بچے کے تعلقات میں عارضی سا خلل پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن جونہی بچہ نادم و شرمندہ ہو کر اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہے اور ماں کی رضا جوئی کے لئے روتا چیختا چلاتا ہے اور زمین پر لیٹتا ہے تو ماں کا دل پسیج جاتا ہے وہ فوراً بچے کو اٹھا کر سینے سے لگا لیتی ہے اور پیار کرتی ہے۔ اسی طرح بلکہ اس سے ہزاروں گنا بڑھ کر ہمارا ارحم الراحمین آقا سچی توبہ کرنے والے بندے کے گناہ معاف فرما کر اسے اپنا مقرب بناتا ہے۔

ششم۔ عیسائیوں کا یہ دعویٰ ہی بے ثبوت ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت ہو گئے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مسیح کی صلیبی موت کا کوئی ثبوت یہود و نصاریٰ کے پاس نہیں ہے۔ قرآن مجید نے چودہ سو سال سے انہیں یہ چیلنج دے رکھا ہے کہ وہ مسیح کی صلیبی موت کا کوئی یقینی ثبوت پیش کریں مگر وہ اس کا کوئی جواب نہیں دے سکے۔ جماعت احمدیہ مشرق و مغرب میں اس قرآنی چیلنج کو دہرا رہی ہے مگر پادری صاحبان لاجواب ہیں۔ آج بھی میں ان پادری صاحبان سے دریافت کرتا ہوں کہ وہ حضرت مسیح کی صلیبی موت کا کوئی ثبوت پیش کریں۔ ہر واقعہ قتل کا ثبوت کم از کم دو گواہوں کی عینی شہادت سے ہوتا ہے۔ پادری صاحبان اپنی موجودہ محرف شدہ اناجیل میں سے بھی ثابت نہیں کر سکتے کہ دو عاقل بالغ مردوں نے حضرت مسیح کو صلیب پر مرتے دیکھا ہو۔

اس کے برعکس اناجیل کے متعدد ثبوت اس بات کے ملتے ہیں کہ حضرت مسیح صلیب پر نہ فوت ہوئے اور نہ فوت ہو سکتے تھے۔ بطور مثال چند امور پیش کرتا ہوں:

(۱) انجیل متی میں لکھا ہے کہ بعض یہودی علماء نے کہا۔

"اے استاد ہم تجھ سے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس نے جواب دیکر ان سے کہا اس زمانہ کے برے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں مگر یوناہ نبی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا۔ کیونکہ جیسے یوناہ تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا۔" (متی ۱۲: ۳۸-۴۰)

حضرت یونس مچھلی کے پیٹ میں زندہ ہی داخل ہوئے اور زندہ ہی رہے اور زندہ ہی نکلے۔ اس نشان کے مطابق ماننا پڑے گا کہ حضرت مسیح زندہ ہی قبر میں رکھے گئے اور زندہ ہی رہے اور زندہ ہی نکلے۔ یہ بھی یاد رہے کہ حضرت مسیح کو جس قبر میں رکھا

گیا تھا وہ ایک حجرہ ہے جس میں متعدد آدمی بیک وقت کھڑے ہو سکتے ہیں۔ میں خود یروشلم میں اسے اندر جا کر دیکھ چکا ہوں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے پیلاطوس کی بیوی کو خواب میں اشارہ کیا کہ حضرت مسیحؑ کو گزند نہ پہنچایا جائے۔ انجیل میں لکھا ہے:۔

"جب وہ تخت عدالت پر بیٹھا تھا تو اس کی بیوی نے اسے کہلا بھیجا کہ تو اس راستباز سے کچھ کام نہ رکھ کیونکہ میں نے آج خواب میں اس کے سبب سے بہت دکھ اٹھایا ہے" (متی $\frac{۲۷}{۱۹}$)

خود پیلاطوس بھی حضرت مسیحؑ کو بے گناہ سمجھتا تھا اسلئے بچانے کے لئے کوشاں تھا مگر یہودیوں کے شور و شر اور سلطنت میں اثر و نفوذ کے باعث برملا ایسا نہ کر سکا اس نے یہودیوں کی مرکزی مجلس سنہدریم کے ممبر یوسف آرمتیہ سے جو خفیہ طور پر حضرت مسیحؑ کا شاگرد تھا سازباز کر کے ایسی تدابیر کیں کہ حضرت مسیحؑ کو بچا لیا جائے اور دیکھا تیار رکھنا۔ تازہ اور فراخ قبر کا کھدوانا اور کم سے کم وقت کے لئے مسیحؑ کا صلیب پر لٹکایا جانا (جس میں کبھی موت واقع نہیں ہوئی تھی) وغیرہ امور وہ تدبیریں تھیں جو پیلاطوس نے اپنی دانائی سے اختیار کی تھیں تاکہ لاٹھی بھی بچ جائے اور سانپ بھی مرجائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اگر حضرت مسیحؑ صلیب پر مرنے والے ہوتے تو پیلاطوس کی بیوی کو خواب دکھانا بیکار تھا۔

(۳) حضرت مسیحؑ از روئے اناجیل صرف تین گھنٹے اس لکڑی کی صلیب پر لٹکے رہے جس پر مرنے کے لئے عیسائی ڈاکٹروں کی شہادت کے مطابق کم از کم چوبیس گھنٹے اور زیادہ سے زیادہ اٹھائیس گھنٹے لگتے تھے۔

(شرح بشارۃ یوحنا مطبوعہ مصر ۱۹۲۳ء صفحہ ۵۵۴)

انجیل یوحنا میں لکھا ہے:۔

"یہ فسح کی تیاری کا دن اور چھٹے گھنٹے کے قریب تھا۔ پھر اس نے یہودیوں سے کہا دیکھو یہ ہے تمہارا بادشاہ۔ پس وہ چلائے کہ لے جا لے جا اسے صلیب دے" (یوحنا $\frac{۱۹}{۱۴}$)

انجیل متی میں لکھا ہے:۔

"اور دوپہر سے لے کر تیسرے پہر تک تمام ملک میں اندھیرا چھایا رہا اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا ایلی ایلی لما سبقتانی یعنی اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟" (متی $\frac{۲۷}{۴۵-۴۶}$)

گویا دوپہر کو (چھٹے گھنٹے کے بعد) حضرت مسیحؑ صلیب پر لٹکائے گئے اور "تیسرے پہر کے قریب" یعنی نویں گھنٹے اتار لئے گئے اور اس وقت وہ بے ہوش تھے۔ گویا وہ صرف تین گھنٹے صلیب پر رہے تھے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت مسیحؑ کے ساتھ دو چور بھی صلیب دیئے گئے تھے جو آپس میں باتیں کرتے رہے خاص سبت کی وجہ سے ہر ایک کو جلدی اتار لیا گیا۔ لیکن دونوں چوروں کی ہڈیاں توڑ کر انہیں موت تک پہنچا دیا گیا۔ مگر حضرت مسیحؑ کے ساتھ یہ سلوک نہ کیا گیا اور پیلاطوس کی تجویز کے مطابق جو بے ہوش کرنے والا سرکہ انہیں پلایا گیا تھا اس کے باعث انہیں مردہ ظاہر کر کے جلد ہی برائے علاج یوسف آرمتیہ کے سپرد کر دیا گیا۔

(۴) معلوم ہوتا ہے کہ سب سپاہیوں کو پیلاطوس کی تدبیر

کا علم نہ تھا اور درحقیقت ایسی بات کا تذکرہ عوام سے کیا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ نیز معلوم ہوتا ہے کہ قدرت مسیحؑ کے صلیبی موت سے بچنے کا ایک اور ثبوت مہیا کرنا چاہتی تھی۔ چنانچہ ناواقف سپاہیوں میں سے ایک نے چلتے چلتے حضرت مسیحؑ کی پسلی میں بھالا مار دیا جس سے

"فی الفور اس سے خون اور پانی نکلا"

(یوحنا $\frac{19}{34}$)

خون کا یہ نکلنا ایک قطعی شہادت اس امر پر ہے کہ اس وقت حضرت مسیحؑ فوت نہ ہوئے تھے بلکہ زندہ تھے البتہ بے ہوش تھے۔

(۵) حضرت مسیحؑ نے صلیبی موت سے بچنے کے لئے نہایت عاجزانہ دعائیں کیں اور وہ دعائیں سنی گئیں چنانچہ لکھا ہے:۔

(الف) "اس وقت اس نے ان سے کہا۔ میری جان نہایت غمگین ہے یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی ہے تم یہاں ٹھہرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو۔ پھر تھوڑا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یہ دعا مانگی اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے۔ تاہم جیسا میں چاہتا ہوں ویسا نہیں بلکہ جیسا تو چاہتا ہے ویسا ہی ہو"

(متی $\frac{26}{38-39}$)

(ب) "وہ تھوڑا آگے بڑھا اور زمین پر گر کے دعا مانگنے لگا کہ اگر ہو سکے تو یہ گھڑی مجھ پر سے ٹل جائے"

(مرقس $\frac{14}{35}$)

(ج) "پھر وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہو کر اور بھی دلسوزی سے دعا مانگنے لگا اور اس کا پسینہ گویا خون کی بڑی بڑی بوندیں ہو کر زمین پر ٹپکتا تھا۔ جب دعا سے اٹھ کر شاگردوں کے پاس آیا تو انہیں غم کے مارے سوتے پایا"

(لوقا $\frac{22}{44-45}$)

(د) "اس نے اپنی بشریت کے دنوں میں زور زور سے پکار کر اور آنسو بہا بہا کر اسی سے دعائیں اور التجائیں کیں جو اس کو موت سے بچا سکتا تھا اور خدا ترسی کے سبب اس کی سنی گئی"

(عبرانیوں $\frac{5}{7}$)

ان صریح حوالہ جات کے باوجود اگر کوئی پادری حضرت مسیحؑ کی صلیبی موت کا دعویٰ کرتا چلا جاتا ہے تو اس کی زبان خدا ہی بند کر سکتا ہے۔ ان حوالہ جات سے حضرت مسیحؑ کے عاجز بندہ ہونے کا بھی ثبوت مل جاتا ہے۔ اگر وہ خود خدا ہوتے تو انہیں اس طرح عاجزانہ دعائیں کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ بھلا جب وہ خود خدا تھے۔ تو یہ دعائیں کس سے کرتے تھے۔

کتنا واضح بیان ہے کہ مسیحؑ نے خدائے قادر مطلق سے دعا کی کہ وہ انہیں موت سے بچائے اور اس نے مسیحؑ کے تقویٰ کی وجہ سے ان کی دعا قبول کر لی۔

پس پادری صاحبان کا یہ خیال بنیادی طور پر ہی غلط ہے کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر فوت ہو گئے تھے لہٰذا جو نام نہاد "خوشخبری" پادری صاحبان پیش کر رہے ہیں وہ سراسر بے بنیاد ہے۔

ہفتم:۔ پادری صاحبان کا یہ خیال بھی نادرست ہے کہ شفاعت یا سفارش سے گناہوں کی معافی کا کوئی ثبوت کتب مقدسہ سے نہیں مل سکتا دور کیوں جائیں ہم بائیبل کا ہی ایک حوالہ پیش کر دیتے ہیں۔

لکھا ہے :-

"اب تو اپنی رحمت کی فراوانی سے
اس امت کا گناہ بخش دیجئے۔ جیسا تو
مصر سے لے کے یہاں تک انہیں بخشتا
رہا ہے۔ خداوند نے فرمایا کہ میں نے
تیرے کہے سے بخشا" (گنتی $\frac{14}{19-20}$)

اس اقتباس سے ظاہر ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰؑ کی شفاعت کے بارہ بنی اسرائیل کے گناہ بخشے تھے۔

اندریں صورت پادریوں کا دعوےٰ بھی باطل ہو گیا۔ اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ گناہوں کی معافی کے لئے صلیبی موت کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ یہ محض یہودیوں سے ڈر کر عیسائی صاحبان نے ایک غلط اختراع کی تھی۔ جو معقولیت کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی۔

ہشتم :- پادری صاحبان حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ اگرچہ بائیبل کے بیان کے مطابق بہت سے دوسرے لوگ بھی خدا کے بیٹے قرار پاتے ہیں بلکہ اسرائیل کو تو خدا کا پلوٹھا ٹھہرایا گیا ہے ہم اس جگہ اس لمبی بحث میں نہیں جاتے۔ صرف حضرت مسیحؑ کی اپنی وہ تشریح پیش کر دیتے ہیں۔ جو انہوں نے یہودیوں کے اعتراض کے جواب میں بیان فرمائی تھی لکھا ہے :-

"یہودیوں نے اسے سنگسار کرنے کیلئے
پھر پتھر اٹھائے۔ یسوع نے انہیں
جواب دیا۔ کہ میں نے تم کو باپ
کی طرف سے بہتیرے اچھے کام
دکھائے ہیں۔ ان میں سے کس کام کے
سبب سے مجھے سنگسار کرتے ہو؟ یہودیوں
نے اسے جواب دیا کہ اچھے کام کے
سبب سے نہیں بلکہ کفر کے سبب سے تجھے سنگسار
کرتے ہیں۔ اور اس لئے کہ تو آدمی ہو
کر اپنے آپ کو خدا بناتا ہے یسوع
نے انہیں جواب دیا کیا تمہاری شریعت
میں یہ نہیں لکھا ہے کہ میں نے کہا تم خدا
ہو؟ جب کہ اس نے انہیں خدا کہا
جن کے پاس خدا کا کلام آیا (اور
کتاب مقدس کا باطل ہونا ممکن نہیں)
آیا تم اس شخص سے جسے باپ نے مقدس
کر کے دنیا میں بھیجا کہتے ہو کہ تو کفر
بکتا ہے۔ اس لئے کہ میں نے کہا میں
خدا کا بیٹا ہوں؟"
(یوحنا $\frac{10}{36-30}$)

اس سوال و جواب سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مسیحؑ کے نزدیک ان کو خدا کا بیٹا کہا جانا ویسا ہی مجاز ہے۔ جیسا کہ سابق انبیاء علیہم السلام کو خدا قرار دیا جانا مجاز تھا۔

اس تشریح کی روشنی میں حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا حقیقی بیٹا قرار دیکر صلیبی موت سے مرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمارے سامنے یوحنا کے حوالہ میں "خدا کے بیٹے" کی ایک تشریح وہ ہے جو یہودیوں نے پیش کی اور اسے کفر قرار دیا۔ اور دوسری تشریح وہ ہے جو ان کے جواب میں حضرت مسیحؑ نے پیش فرمائی اور کفر کا ازالہ فرمایا۔ اب پادری صاحبان چاہیں۔ تو حضرت مسیحؑ کی بات قبول کرلیں۔ اور اگر چاہیں تو یہود کی ہمنوائی اختیار کرلیں۔ ہم تو انہیں نیک و بد سمجھا کر اپنے فرض سے سبکدوش ہوتے ہیں۔

نہم :- آج نجات کا موضوع زیر نظر ہے۔ صلیبی موت کا تو اس سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ میں ثابت

کر چکا ہوں۔ حضرت مسیحؑ کا بتایا ہوا طریق دائمی زندگی پانے کا یہ ہے کہ:۔

"ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں۔" (یوحنا ۱۷/۳)

گویا نجات پانے کے لئے انجیل کے رُو سے دو باتیں ضروری ہیں۔ اوّل یہ کہ خدائے واحد پر ایمان لایا جائے۔ دوّم یہ کہ حضرت مسیحؑ کو خدا کا فرستادہ اور رسول یقین کیا جائے۔

حضرت مسیحؑ کے اس واضح ارشاد کی روشنی میں پادری صاحبان ہمیشہ کی زندگی نہیں پا سکتے ہیں البتہ مسلمان ہمیشہ کی زندگی پا سکتے ہیں کیونکہ مسلمان اللہ تعالیٰ کو واحد لاشریک مانتے ہیں۔ کسی کو اس کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے اور حضرت مسیحؑ کو خدا کا رسول مانتے ہیں۔ اس کے برعکس پادری صاحبان خدا کی توحید کے منکر ہیں اور تین خداؤں کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ نیز حضرت مسیحؑ کو خدا کا رسول ماننے کی بجائے انہیں خدا اور خدا کا بیٹا خیال کرتے ہیں۔ پس انجیل کی رو سے بھی نجات اور دائمی زندگی سچے مسلمانوں کو مل سکتی ہے۔ موجودہ عیسائیوں کو نہیں۔ عیسائی صاحبان اپنی اصلاح کر کے صحیح طریق کو اختیار کریں۔ تا اللہ تعالےٰ انہیں بھی ہمیشہ کی زندگی بخشے۔

دھم۔ میں پادری صاحبان کی پیش کردہ "بشارت" کی حقیقت واضح کرنے کے بعد اب ان کی خواہش کے مطابق انہیں اسلامی بشارت سُناتا ہوں۔ اس میں ان کے اس سوال کا جواب بھی آ جائے گا کہ آیا حضرت مسیحؑ کے سوا کسی اور نبی نے بھی دنیا کو نجات کی دعوت دی ہے یا نہیں؟ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ پادری صاحبان سخت غلطی کرتے ہیں جبکہ وہ حضرت مسیحؑ پر آ کر ٹھہر جاتے ہیں۔ یہ تو درست ہے کہ چونکہ حضرت مسیحؑ سچے نبی تھے اسلئے ان پر ایمان لانا ضروری ہے لیکن اسی جگہ ٹھہر جانا اور بعد میں آنے والے نبی حق کو سرور کونین حضرت **محمد مصطفےٰ** صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر دینا اُن کی سخت ترین غلطی ہے۔ درحقیقت وہ اس طریق سے اپنے اُوپر خود نجات کا دروازہ بند کر لیتے ہیں۔

میں اپنی بشارت کی ابتداء حضرت مسیحؑ کے اس بیان سے کرتا ہوں جو آپ نے **انگوری باغ** کی تمثیل میں **باغ** کے مالک کے آنے کی خوشخبری دے کر ارشاد فرمایا ہے۔ حضرت مسیحؑ سابق انبیاء کرام، خود اپنا، اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مجازی زبان میں یوں ذکر کرتے ہیں کہ:۔

"ایک اور تمثیل سنو۔ ایک گھر کا مالک تھا۔ جس نے تاکستان لگایا اور اس کی چاروں طرف احاطہ گھیرا اور اس میں حوض کھودا اور برج بنایا اور اُسے باغبانوں کو ٹھیکے پر دیکر پردیس چلا گیا اور جب پھل کا موسم قریب آیا تو اس نے اپنے نوکروں کو باغبانوں کے پاس اپنا پھل لینے کو بھیجا اور باغبانوں نے اس کے نوکروں کو پکڑ کر کسی کو پیٹا اور کسی کو قتل کیا اور کسی کو سنگسار کیا۔ پھر اس نے اور نوکروں کو بھیجا جو پہلوں سے زیادہ تھے اور انہوں نے ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا۔ آخر اس نے اپنے بیٹے کو اُن کے پاس یہ کہہ کر بھیجا کہ وہ میرے بیٹے کا تو لحاظ کریں گے۔ جب باغبانوں نے بیٹے کو دیکھا تو آپس میں کہا یہی وارث ہے۔ آؤ اسے قتل کر کے اس کی میراث پر قبضہ کر لیں اور اسے پکڑ کر

تاکستان سے باہر نکالا اور قتل کر دیا۔ پس جب تاکستان کا مالک آئے گا تو اُن باغبانوں کے ساتھ کیا کرے گا؟ انہوں نے اس سے کہا اُن بدکاروں کو بُری طرح ہلاک کرے گا اور باغ کا ٹھیکہ دوسرے **باغبانوں کو دے گا جو موسم پر اُس کو** پھل دیں۔ یسوع نے ان سے کہا کیا تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر **کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے** سرے کا پتھر ہوگیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے؟ اسلئے **مَیں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دیدی جائے گی۔** اور جو اس پتھر پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا لیکن جس پر وہ گرے گا اُسے پیس ڈالے گا۔"

(متی باب ۲۱۔ آیت ۳۳ تا ۴۴)

اس تمثیل سے ظاہر ہے کہ معاملہ حضرت مسیح پر ختم نہیں ہو جاتا ہے بلکہ ضروری ہے کہ حضرت مسیح کے بعد وہ وقت آئے جب "تاکستان کا مالک" آئے اور پہلی قوموں سے خدا کی بادشاہت لے لے اور ایسی قوم کے سپرد کر دے جو اس کے پھل دے۔ اس تمثیل میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ قوم اس کی مصداق ہو گی کہ معماروں نے اسے رد کر دیا مگر وہ کونے کا پتھر ثابت ہوئی۔ آئیے اب مَیں بتاؤں کہ بائبل میں "تاکستان کے مالک" کے آنے کی خبر کس طرح درج ہے؟ لکھا ہے:۔

"دیکھو میرا خادم جس کو مَیں سنبھالتا ہوں۔ میرا برگزیدہ جس سے میرا دل خوش ہے مَیں نے اپنی روح اُس پر ڈالی۔ وہ قوموں میں عدالت جاری کرے گا۔ وہ نہ چلّائے گا اور نہ شور کرے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سُنائی دے گی۔ وہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑے گا اور ٹمٹماتی بتی کو نہ بُجھائے گا۔ وہ راستی سے عدالت کریگا۔ وہ ماندہ نہ ہوگا اور ہمّت نہ ہارے گا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرے۔ جزیرے اس کی **شریعت** کا انتظار کریں گے۔ جس نے آسمان کو پیدا کیا اور تان دیا جس نے زمین کو اور ان کو جو اس میں سے نکلتے ہیں پھیلایا جو اس کے باشندوں کو سانس اور اس پر چلنے والوں کو رُوح عنایت کرتا ہے۔ یعنی خداوند خدا یوں فرماتا ہے مَیں خداوند نے تجھے صداقت سے بُلایا۔ مَیں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور **تیری حفاظت کروں گا** اور لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لئے تجھے دوں گا۔ کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور اسیروں کو قید سے نکالے اور ان **کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانہ** سے چھڑائے۔ یہوواہ مَیں ہوں۔ یہی میرا نام ہے۔ مَیں اپنا جلال کسی دوسرے کے لئے اور **اپنی حمد کھودی ہوئی مورتوں** کے لئے روا نہ رکھوں گا۔ دیکھو پرانی باتیں پوری ہو گئیں اور مَیں نئی باتیں بتاتا ہوں اس سے پیشتر کہ واقع ہوں مَیں تم سے بیان کرتا ہوں۔

اے سمندر پر گزرنے والو اور اس میں بسنے والو! اے جزیرو اور ان کے باشندو

خداوند کے لئے نیا گیت گاؤ۔ زمین پر سرتاسر اُسی کی ستائش کرو۔ بیابان اور اس کی بستیاں۔ قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں۔ سلع کے بسنے والے گیت گائیں۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں۔ وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں اور جزیروں میں اس کی ثنا خوانی کریں۔ خداوند بہادر کی مانند نکلے گا۔ وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت دکھائے گا۔ وہ نعرہ ماریگا۔ ہاں وہ للکاریگا۔ وہ اپنے دشمنوں پر غالب آئے گا۔ میں بہت مدت سے چپ رہا۔ میں خاموش ہو رہا اور ضبط کرتا رہا۔ پر اب میں دردِ زِہ والی کی طرح چلاؤں گا۔ میں ہانپوں گا اور زور زور سے سانس لوں گا۔ میں پہاڑوں اور ٹیلوں کو ویران کر ڈالوں گا اور ان کے سبزہ زاروں کو خشک کرونگا۔ اور ان کی ندیوں کو جزیرے بناؤں گا اور تالابوں کو سکھاؤں گا۔ اور اندھوں کو اس راہ سے جسے وہ نہیں جانتے لیجاؤنگا میں ان کو ان راستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلوں گا۔ میں ان کے آگے تاریکی کو روشنی اور اونچی نیچی جگہوں کو ہموار کر دوں گا۔ میں ان سے یہ سلوک کرونگا اور ان کو ترک نہ کروں گا۔ جو کھودی ہوئی مورتوں پر بھروسہ کرتے اور ڈھالے ہوئے بتوں سے کہتے ہیں تم ہمارے معبود ہو وہ پیچھے ہٹیں گے اور بہت شرمندہ ہوں گے۔"

(یسعیاہ $\frac{42}{17-1}$)

یہ بشارت جس میں "تاکستان کے مالک" کی آمد کا بیان ہے صاف صاف اور واضح رنگ میں ہمارے سید و مولیٰ **محمد** عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق ہوتی ہے اور آپ کے علاوہ کسی پر چسپاں نہیں ہوتی۔ آپ ایک شریعت لانے والے رسول ہیں۔ آپ کی آمد جلالی رسول کی آمد ہے۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کی حفاظت کا وعدہ کیا اور اسے نامساعد حالات میں پورا فرمایا۔ آپ نے اسیروں کو قید سے چھڑایا اور اندھوں کو آنکھیں بخشیں۔ آپ نے کھودی ہوئی مورتوں کو شکست دیکر خدائے واحد کی حمد و ستایش کو برّ و بحر میں قائم فرمایا۔ آپ نے پہلی کتابوں کو منسوخ ٹھہرا کر نیا گیت گایا اور نئی باتیں بتائیں۔ آپ قیدار بن اسمٰعیلؑ کی نسل سے اور سلع کے بسنے والوں میں سے تھے۔ آپ نے جنگی مرد کی طرح خدا کے جلال کو ظاہر فرمایا اور کامیاب و کامران رہے۔

غرض وہ تمام علامات جو یسعیاہ نبی نے اس پیشگوئی میں ذکر فرمائی ہیں وہ سب کی سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری ہوگئیں۔ لہٰذا آپ ہی انگوری باغ کی تمثیل میں "تاکستان کے مالک" کی آمد کی پیشگوئی کے مصداق ہیں اور اب نجات پانے اور فلاح حاصل کرنے کے لئے آپ پر ایمان لانا لازمی ہے۔ اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

ورحمتی وسعت کل شیء ط فسا کتبھا للذین یتقون ویؤتون الزکوٰۃ والذین ھم بأیٰتنا یؤمنون۝ الذین یتبعون الرسول النبی الأمی الذی یجدونہ مکتوباً عندھم فی التورٰۃ والانجیل یأمرھم بالمعروف وینھٰھم عن المنکر ویحل لھم الطیبٰت ویحرم علیھم الخبٰئث ویضع عنھم إصرھم والاغلٰل التی

كانت عليهم ۚ فالّذين آمنوا به وعزّروهُ ونصروهُ واتّبعوا النّورَ الّذيَ أُنزِلَ معهٗٓ ۙ اولٰٓئك هم المفلحون ○ (اعراف ع ۱۹)

کہ میں نے اپنی رحمت کو ہر چیز پر وسیع کر رکھا ہے لیکن میں خاص رحمت سے ان لوگوں کو ہی نوازوں گا جو تقویٰ شعار ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں اور اس کامل رسول، کامل نبی اور کامل معصوم کی پیروی کرتے ہیں جس کا بیان اور ذکر وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ یہ نبی انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے اور منکر سے منع کرتا ہے۔ ان کے لئے تمام پاکیزہ چیزوں کو حلال ٹھہراتا ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے۔ وہ ان کے ان بوجھوں کو ان سے دور کرتا ہے جن کے نیچے وہ دبے پڑے تھے۔ اور ان کی ان زنجیروں اور بندھنوں سے انہیں رہائی بخشتا ہے جن میں وہ اسیر تھے۔ پس وہ لوگ جو اس رسول پر ایمان لائیں گے اور اس کی تائید و نصرت کریں گے اور اس نور کی پیروی کریں گے جو اس کے ساتھ اتارا گیا ہے وہی لوگ کامیابی اور فلاح پانے والے ہوں گے۔"

ان آیات کریمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تورات و انجیل کا موعود کامل رسول قرار دیا گیا ہے اور آپ کا مشن یہ ٹھہرایا گیا ہے کہ آپ بوجھوں کے نیچے دبے ہوئے لوگوں کو آزاد کرائیں اور شیطان کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں کو مخلصی بخشیں۔ اب آپ کی پیروی سے ہی نجات اور فلاح مل سکتی ہے۔

قرآن مجید میں دوسری جگہ زبانِ نبوی سے یہ اعلان کروایا گیا ہے:-

قل يا عبادي الّذين اسرفوا على انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله انّ الله يغفر الذنوب جميعاً انّهٗ هو الغفور الرّحيم (الزمر ع ۶)

کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اور گناہوں میں حد سے بڑھ گئے ہیں اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو اللہ تعالےٰ سب گناہ معاف کر دیتا ہے۔ وہ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔"

ایک اور مقام پر اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن کتاب و حکمت کی تعلیم اور احکامِ الٰہی سے آگاہی بخشنے کے علاوہ یہ قرار دیا ہے "ویزکّیھم" کہ آپ گنہگاروں کے گناہوں کے ازالہ کے علاوہ انہیں پاک اور مطہر بناتے ہیں اور انہیں پاکیزہ زندگی بخشتے ہیں۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا مقام یوں ذکر فرمایا۔ وایّدھم منہ کہ اللہ تعالےٰ نے ان کو روح القدس سے مؤیّد فرمایا (المجادلہ ع ۳) گویا انہیں ایک لحاظ سے وہ مقام حاصل تھا جو آیت قرآنی وایّدناہ بروح القدس کے مطابق حضرت مسیح کو ملا تھا۔

ہمارے اس سادے بیان سے ظاہر ہے کہ اب نجات اور فلاح پانے کا ذریعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی جائے اور آپ کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کیا جائے اسی ذریعہ سے انسان محبوب ربانی بن سکتے ہیں اور قرب الٰہی کی حقیقی علامات کشف، رؤیا اور الہام و وحی کی نعمتوں کو حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم پادری صاحبان کو دعوت دیتے ہیں

کہ وہ اس صراطِ مستقیم کو اختیار کریں ۔ اللہ تعالیٰ انہیں توفیق بخشے ۔ آمین !

پادری مہنگا مل صاحب کی تقریر

ہمارے اس لیکچر کے جواب یا اس پر اعتراض کے لئے پادری برکت اے خان کی بجائے پادری مہنگا مل صاحب کھڑے ہوئے ۔ اور چند منٹ میں آپ نے جو باتیں بیان کیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

"خدائے واحد" کے لفظ کو سمجھنا بہت مشکل ہے ۔ واحد کوئی عدد نہیں ہے ۔ کیونکہ "محاسبین" کے نزدیک عدد کی تعریف یہ ہے کہ اس کے اوپر اور نیچے کے عدد کو ملا کر اوسط نکالنے پر وہ معین ہو جائے ۔ اس کے مطابق ایک کوئی عدد نہیں ہے ۔ کیونکہ اس کے نیچے کوئی عدد نہیں ہے جسے اوپر والے عدد سے ملایا جائے اور اوسط نکالی جائے ۔ خدا گنتی کا واحد نہیں ہے حقیقی اور ذاتی واحد ہے ۔

انسان پیدائشی طور پر گناہ گار ہے ۔ آدم کے وقت میں تکوینِ جنس کا قانون تھا اسلئے وہ بغیر ماں اور باپ کے پیدا ہوئے ۔ پھر بقاءِ جنس کا قانون جاری ہوا ۔ اس میں ہر بچہ ماں اور باپ سے پیدا ہوتا ہے ۔ اور چونکہ آدم گناہ گار ہے اسلئے ہر پیدا ہونے والا بچہ گناہ گار ہوتا ہے ۔ ساری انسانی نسل میں مسیح کے سوا کوئی شخص بھی بغیر باپ کے پیدا نہیں ہوا اسلئے صرف مسیح ہی بے گناہ ہے اور وہی دوسروں کو نجات دے سکتا ہے ۔ جو شخص خود بیمار ہو وہ دوسرے کو کیسے شفاء دے سکتا ہے ۔

عاجز انسان کو نجات کی ضرورت ہے ۔ مذہب کی غرض و غایت ہی نجات ہے ۔ جب نجات کی ضرورت مان لی گئی تو تمام انسانوں کا گناہ گار ہونا خود بخود لازم آگیا ۔ ہمیں عقل کو نجس نہ سمجھنا چاہیئے اس سے بھی کام لینا چاہیئے ۔ بخاری شریف میں لکھا ہے کہ سوائے مریم اور ابن مریم کے کوئی مسِ شیطان سے پاک نہیں تھا ۔ اس سے ظاہر ہے کہ سب جو مرد و عورت سے پیدا ہوتے ہیں گناہ گار ہیں مسیح کا بغیر باپ پیدا ہونا وہ امتیاز ہے جو کسی اور نبی کو حاصل نہیں ہوا ۔ اسلئے وہی واحد نجات دہندہ ہے ۔

ہمارا جواب

پادری مہنگا مل کی تقریر کے بعد خاکسار نے جواب میں انہیں بتایا کہ :-

(۱) عدد کا تعلق معدود سے ہے ۔ موجود اور متحقق اشیاء کے امتیاز کے لئے گنتی مقرر ہے ۔ اگر ایک عدد ہی نہیں تو پھر اس کے بعد کے اعداد کو کیونکر عدد قرار دیا جا سکتا ہے ۔ اگر غور کیا جائے تو اصل عدد ایک ہی ہے پھر اکائیوں کے اضافہ سے جملہ اعداد بنتے ہیں ۔ اگر اللہ تعالیٰ کو واحد نہیں کہہ سکتے تو تمام کتب مقدسہ میں خدا نے خود اپنے آپ کو واحد کیوں قرار دیا ہے ۔ اہلِ حساب کی طرف بھی آپ نے خود ساختہ عدد کی تعریف منسوب کر دی ہے (ایک دوست نے توجہ دلائی ہے کہ اگر یہی تعریف عدد کی ہے ۔ تو ایک کے نیچے صفر ہے اور اوپر دو ہے اور ان کی اوسط ایک ہی نکلے گی ۔ یہ گویا الزامی جواب ہے) ہاں یہ سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقی واحد ہے ۔ یعنی وہ اپنی ذات اور صفات اور افعال میں واحد و یگانہ ہے ۔ اس سے بھی تثلیث اور ابنیتِ مسیح کی تردید ہوتی ہے ۔

(۲) ماں باپ سے پیدا ہونے والا بچہ اگر گناہ گار ہے تو آپ حضرت مریم کو کس طرح بے گناہ کہہ سکتے ہیں وہ تو ماں باپ سے پیدا ہوئی تھیں ؟ پھر یہ بھی سوال ہے کہ بائبل کی رُو سے عورت کا گناہ زیادہ ہے کیونکہ لکھا ہے کہ :-

"عورت نے جوں دیکھا کہ وہ درخت
کھانے میں اچھا اور دیکھنے میں خوشنما

اور عقل بخشنے میں خوب ہے تو اس کے پھل میں
سے لیا اور کھایا اور اپنے خصم کو بھی دیا اور
اس نے کھایا" (پیدائش ۳/۶)

اب ظاہر ہے کہ عورت و مرد سے پیدا ہونے والا بچہ اوسطاً کم گناہ گار ہوگا بہ نسبت اس بچہ کے جو صرف عورت سے پیدا ہوا ہے۔ پس اس لحاظ سے محض ماں سے پیدا ہونے کے باعث مسیح کو بے گناہ نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ بلکہ یہ صورتِ ولادت تو عیسائی مسلّمات کے رو سے انہیں زیادہ گنہگار ثابت کرتی ہے۔

نجات کی ضرورت تو مسلّم ہے مگر اس سے عیسائی نظریہ ثابت نہیں ہوتا۔ کونین کا بخار کے لئے مفید ہونا مسلّم ہے مگر اس کے یہ معنے ہرگز نہیں کہ ہر شخص کو بخار زدہ تسلیم کر لیا گیا ہے۔ آخر خدا کے بندے حضرت زکریاؑ اور ان کی بیوی کی طرح پاک اور بے عیب بھی تھے یا نہیں؟

(۳) پادری صاحبان حضرت مسیح کے بے باپ پیدا ہونے کو تو اُن کی الوہیت اور کفارہ کی دلیل گردانتے ہیں لیکن **ملک صدق شالیم** کا ذکر بھول جاتے ہیں جس کے متعلق بائیبل میں لکھا ہے:-

"اور یہ ملک صدق شالیم کا بادشاہ خدا تعالیٰ کا کاہن ہمیشہ کاہن رہتا ہے۔ جب ابراہیم بادشاہوں کو قتل کر کے واپس آتا تھا تو اسی نے اس کا استقبال کیا اور اس کے لئے برکت چاہی۔ اسی کو ابراہیم نے سب چیزوں کی دہ یکی دی۔ یہ اوّل تو اپنے نام کے معنی کے موافق راستبازی کا بادشاہ ہے اور پھر شالیم یعنی صلح کا بادشاہ۔ یہ بے باپ بے ماں بے نسب نامہ ہے۔ نہ اس کی عمر کا شروع نہ زندگی کا آخر بلکہ خدا کے بیٹے کے مشابہ ٹھہرا" (عبرانیوں ۷/۱-۳)

(۴) یہ درست ہے کہ بخاری شریف میں یہ ہے کہ مریم اور ابن مریم مسِّ شیطان سے پاک تھے مگر پادری صاحبان کا استدلال اس سے درست نہیں۔ کیونکہ **اوّل** تو اس میں حضرت مریم کو بھی بے گناہ ٹھہرایا گیا ہے اور پادریوں کے نزدیک دوسرے انسانوں کی طرح وہ بھی گنہگار تھیں۔ **دوم** اسی بخاری شریف میں ہے کہ جو مومن اپنی بیوی کے پاس جاتے وقت اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَان .... الخ کی دعا پڑھ لیتا ہے اس کا بچہ مسِّ شیطان سے پاک ہوتا ہے۔ اس کے مطابق اُمت کے ہزاروں لاکھوں افراد مسِّ شیطان سے پاک پیدا ہو چکے ہیں۔ **سوم** اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ کُلّ مولود یولد علی الفطرۃ کہ ہر بچہ پاک فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہ بھی حدیث نبوی ہے۔ اسی بنا پر مریم اور ابن مریم والی حدیث کی یہ تشریح کی گئی ہے کہ اس میں وہ تمام افراد شامل ہیں جو حضرت مریم اور حضرت ابن مریم کے رنگ پر تھے۔ اس میں ان دونوں کی خصوصیت نہیں ہے۔

اس جگہ اگر یہ سوال ہو کہ حدیث میں ابن مریم اور مریم کا نام کیوں لیا گیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل یہ اس الزام کی تردید ہے جو یہود کی طرف سے حضرت مریم اور ابن مریم پر لگایا گیا تھا اور جب الزام کی بریت مقصود ہو تو صرف زیر الزام شخص کا ہی نام لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ جب یہود نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر آخری عمر میں ارتکابِ کفر و شرک کا الزام عائد کیا تو اللہ تعالیٰ نے وَمَا کَفَرَ سُلَیْمٰنُ فرما کر اس کی تردید فرمائی۔

اس آیت کریمہ سے یہ استدلال سراسر غلط ہے۔ کہ چونکہ مسیح یا دیگر نبیوں کے لئے ما کفر کا لفظ نہیں آیا لہذا وہ کافر تھے۔ اسی طرح حضرت مسیح کی ناجائز ولادت کے اتہام سے جب مریم اور ابن مریم کو زیر الزام لایا گیا تو اسلام نے ان دونوں کو مس شیطان سے پاک قرار دیکر الزام کو دُور کر دیا۔

دیگر سوالات اور ان کے جوابات :-

اس کے بعد ماسٹر برکت اے خان اور پادری مہنگا مل صاحبان یکے بعد دیگرے تقریروں میں سوال کرتے رہے نیز ہمارے بعض دلائل کا جواب دینے کی کوشش کرتے رہے۔ اکثر دلائل کو انہوں نے چھوا تک نہیں۔ اس حصہ گفتگو کو ہم **پادری** اور **احمدی** کے عنوان سے درج ذیل کرتے ہیں :-

پادری۔ مسیح صلیب پر ۹ گھنٹے رہے تھے جیسا کہ مرقس کی انجیل سے ثابت ہے۔

احمدی۔ ہم انجیلی حوالوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ یہ مدت تین چار گھنٹے بنتی ہے دوپہر کے وقت وہ صلیب پر لٹکائے اور سہ پہر کے جلد بعد اُتار لئے گئے۔ (یوحنا ۱۹/۱۴) اگر بالفرض نو گھنٹے بھی رہے ہوں تب بھی ڈاکٹری رائے اور واقعات کے مطابق وہ صلیب پر مر نہ سکتے تھے۔ ان کے دونو ساتھی چور بھی زندہ تھے جب تک اُن کی ہڈیاں نہ توڑی گئیں۔

پادری۔ رومی تاریخ کہتی ہے کہ مسیح صلیب پر مر گئے۔ یہودی کہتے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں۔ اس کے باوجود صلیبی موت کا انکار عجیب ہے۔

احمدی۔ یہودی دشمن تھے اور حضرت مسیح کو مصلوب قرار دیکر لعنتی ثابت کرنا چاہتے تھے۔ عیسائی اس وقت یہودی شور و غوغا سے دب گئے تھے اور رومیوں کی پالیسی غیر مداخلت کی تھی لیکن آپ قرآن مجید کا کمال دیکھیں کہ چھ سو سال بعد یہ چیلنج دیتا ہے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرے اور حالت یہ ہے کہ آج بھی پادری اپنی تحریف شدہ انجیلوں میں سے دو شہادتیں بھی ایسی پیش نہیں کر سکتے جو مسیح کی صلیبی موت کی چشم دید گواہ ہوں اور آثار و دلائل پے در پے حضرت مسیح کی صلیبی موت کے دعویٰ کی تردید کر رہے ہیں۔ کیا یہ قرآن مجید کا معجزہ نہیں؟

پادری۔ مسیح کی ولادت بے نظیر ہے۔ وہ انبیاء میں منفرد ہیں۔

احمدی۔ قرآن مجید نے اس کا جواب یوں دیا ہے۔ اِنَّ مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل اٰدم خلقہٗ من تراب ثم قال لہٗ کن فیکون کہ حضرت مسیح کی مثال اس بارے میں حضرت آدمؑ کی طرح ہے آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا اور حکم کُن سے پیدا کر دیا۔ پس وہ اس پہلو سے بھی بے نظیر نہیں۔

پادری۔ انجیل یوحنا میں بھالا کے لگنے سے مسیح کے جسم سے جو خون بہ نکلا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بھالا دل کے قریب جھلی پر لگا تھا اس سے خون نکل سکتا ہے طب کے جاننے والے جانتے ہیں۔

احمدی۔ اطبّاء نے یہی بتایا ہے کہ مُردہ جسم سے بہنے والا خون نہیں نکل سکتا۔ یہ تو زندہ جسم کی علامت ہے۔ وہ نیزہ دل کے قریب لگا تھا اور واقعی وہاں خون اور پانی بہنے والا موجود تھا۔ اس کا بارِ ثبوت آپ کے ذمّہ ہے۔ یونہی خیالی تاویل تو درست نہیں۔

پادری۔ آپ نے ہماری خوشخبری کی تردید کی ہے اپنی خوشخبری نہیں سُنائی۔

احمدی - آپ نے میری تقریر غور سے نہیں سُنی - میں نے تو بڑی وضاحت سے اپنی خوشخبری سُنا دی ہے اور انگوری باغ کی تمثیل اور قرآن مجید کی آیات پیش کرکے بتایا ہے کہ اب نجات اور فلاح ان لوگوں کا ہی حق ہے جو "تاکستان کے مالک" پر ایمان لاتے ہیں اور وقت پر پھل دیتے ہیں -

پادری - "ضرورۃ الانبیاء" کتاب میں لکھا ہے کہ خدا عقل وفہم سے بالا ہے پھر آپ یہ عقیدہ کیوں رکھتے ہیں ؟

احمدی - عقل وفہم کے مخالف ہونا اور بات ہے اور عقل وفہم سے بالا ہونا امرِ دیگر ہے - ایک بات کو عقل رد کرکے غلط قرار دیتی ہے اور دوسری بات کی کُنہ تک عقل کی رسائی نہیں دونوں میں بڑا فرق ہے تین خداؤں کا عقیدہ عقل وفہم کے خلاف ہے عقل اسے دھکّے دیتی ہے اسلئے یہ قابلِ قبول نہیں - توحید کو عقل تسلیم کرتی ہے - البتہ اللہ تعالےٰ کی ہستی کی پوری حقیقت کو جاننے سے عقل اپنے عجز کا اعتراف کرتی ہے -

پادری - آپ نے رسالہ الفرقان ماہ مئی ۱۹۵۰ء میں لکھا ہے کہ انسانیت کی رگ رگ میں گناہ کا زہر سرایت کرچکا ہے پس نجات کی ضرورت ثابت ہے -

احمدی - مَیں نے اس مضمون میں تریاق بھی پیش کیا ہے اور قرآن مجید اور اسلام کو بطور علاج ذکر کیا ہے - نجات کی ضرورت سے انکار کسے ہے سوال تو نجات پانے اور فلاح حاصل کرنے کے طریق اور ذریعہ کا ہے -

پادری - مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ ان آفتوں کے دنوں میں سچے متبعین کے لئے میری روح شفاعت کرے گی -

احمدی - سب نبی شفاعت کرتے ہیں مگر سب نبیوں میں سب سے بڑے شفاعت کنندہ ہمارے سید و مولیٰ حضرت خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے :-

"نوع انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن - اور تمام آدمزادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم - سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ وجلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ" (کشتی نوح ص۱۳)

پادری - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے گناہوں کا اقرار کرتے تھے اسلئے وہ نجات نہیں دلا سکتے -

احمدی - قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے سب نبیوں کو معصوم قرار دیا ہے ان کی شان میں فرمایا "لا یسبقونه بالقول وهم بامره یعملون (الانبیاء ع۲)" کہ وہ اپنے قول وعمل میں اللہ تعالےٰ کے حکم کے پورے فرمانبردار ہوتے ہیں - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور سب نبیوں کے سردار ہیں اس لئے آپ معصوم ترین نبی تھے مگر مطابق مقولہ ع ہر کہ عارف تر است ترساں تر - آپ استغفار کرتے تھے - ایک تو یہ تواضع اور فروتنی تھی - دوسرے اس میں ہر قسم کی بشری کمزوریوں اور خطاؤں کے شر سے بچنے بلکہ ان کے ارتکاب سے محفوظ رہنے کی دعا تھی - آپ کی طلب مغفرت گناہ گاری کی دلیل نہیں - اہل جنت جنت میں جانے کے باوجود ربّنا اغفر لنا کہتے رہیں گے -

پادری - رسالہ "احمدیت کا پیغام" میں نجات پر لمبے مضمون میں بتایا گیا ہے کہ ذمہ واریوں کو ادا کرنے سے نجات ہوگی یہ نہیں کہا گیا کہ آنحضرت نجات دلائیں گے -

احمدی - اسلام میں عام شفاعت بالاذن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقرر ہے - مگر یہ شفاعت انہی لوگوں

کے لئے ہے جو مقدور بھر اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرتے ہیں۔ اسلئے اس مضمون میں ذمہ داریوں کا ذکر ہے۔ کیا مسیح نے نہ فرمایا تھا کہ :-

"اگر کوئی میرے پیچھے آنا چاہے تو
اپنی خودی سے انکار کرے اور اپنی
صلیب اٹھائے اور میرے پیچھے ہولے"
(متی ١٦/٢٤)

پادری - آپ بار بار زکریا اور ان کی بیوی کا ذکر کرتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ گناہ دو قسم کا ہوتا ہے (١) موروثی گناہ (٢) عملی گناہ۔ زکریا اور ان کی بیوی عملی گناہ سے پاک تھے لیکن موروثی گناہ سے پاک نہ تھے۔ کیونکہ وہ ماں باپ سے پیدا ہوئے تھے۔

احمدی - آپ کی یہ تاویل درست نہیں۔ لوقا کے الفاظ اس کے متحمل نہیں۔ وہاں لکھا ہے کہ :-

"وہ دونو خدا کے حضور راستباز
اور خدا کے سارے حکموں اور قانونوں
پر بے عیب چلنے والے تھے"

حکموں پر "بے عیب چلنے" سے مراد عملی گناہ سے پاکیزگی ہے تو فقرہ "خدا کے حضور راستباز" انہیں سراسر معصوم قرار دیتا ہے۔ دوسرے اگر اس طرح "موروثی گناہ" کا دعویٰ کیا جائے گا تو خود مسیح بھی نہیں بچ سکتے۔ وہ بھی تو مریم کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

چلئے میں ایک اور تیسری مثال پیش کر دیتا ہوں۔ اسی لوقا کی انجیل میں لکھا ہے :-

"اے زکریا خوف نہ کر کیونکہ تیری دعا
سن لی گئی اور تیری بیوی الیشبع تیرے
لئے بیٹا جنے گی۔ تو اس کا نام یوحنا
رکھنا اور تجھے خوشی و خرمی ہوگی اور
بہت سے لوگ اس کی پیدائش کے
سبب خوش ہوں گے کیونکہ وہ خداوند
کے حضور میں بزرگ ہوگا اور ہرگز
نہ مے نہ کوئی اور شراب پئے گا
اور اپنی ماں کے پیٹ ہی سے
روح القدس سے بھر جائیگا"
(لوقا ١/١٣-١٥)

اب بتائیے آپ یوحنا کے بارے میں کیا کہیں گے؟ یہ تو ماں کے پیٹ ہی سے روح القدس سے بھر گئے تھے۔ اس جگہ یہ بھی ذکر ہے کہ یوحنا ہر قسم کی شراب سے پرہیز کرے گا۔ گویا شراب پینا بھی گناہ میں داخل ہے۔ اب پادری صاحبان بتائیں کہ اس کے مقابل میں مسیح کا کیا مقام ہے۔ کیا آپ لوگوں کے عقیدہ میں وہ شراب پیتے اور پلاتے نہ تھے؟

پادری - قرآن شریف اس بات کا دعویدار نہیں کہ موسیٰ اور مسیح نے آنحضرت کی پیشگوئی کی ہو۔

احمدی - قرآن مجید نے متعدد مقامات پر اس کا ذکر کیا ہے۔ بلکہ آنحضرتؐ کے بارے میں موسیٰؑ کی شہادت اور آپ پر ان کے ایمان لانے کو بھی ذکر فرمایا ہے (الاحقاف ۱۱) شروع میں میں نے سورہ اعراف کی جو آیات پڑھی ہیں ان میں بھی صاف درج ہے یجدونہٗ مکتوباً عندھم فی التوراۃ والانجیل کہ آنحضرت کی پیشگوئی تورات و انجیل میں موجود ہے۔

پادری - مسیح کے تو یہودی منتظر تھے آنحضرت کا کسی کو انتظار نہ تھا۔

احمدی - آپ کا یہ بیان بھی درست نہیں مسیح کی آمد کے وقت یہود کو تین وجودوں کا انتظار تھا (١) ایلیا (٢) مسیح (٣) وہ نبی۔ اس پر انجیل یوحنا ١/١٩-٢١

دلیل ہے :-

"یوحنا کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لیوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے کیا تو ایلیاہ ہے۔ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو وہ نبی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔"

پادری۔ آپ انگوری باغ کی تمثیل پر بہت زور دے رہے ہیں۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ اس میں بیٹے کے آسمان سے آنے کا ذکر ہے پھر باپ کی آمد کا بیان ہے۔ مگر محمد صاحب (صلے اللہ علیہ وسلم) نے تو کبھی دعوے نہیں کیا کہ وہ مسیح کے باپ ہیں۔ اسلئے آپ انگوری باغ کی مثال سے ان کی سچائی پر کس طرح استدلال کر سکتے ہیں؟

احمدی۔ انگوری باغ کی تمثیل میں بیٹے کے آسمان سے آنے کا کہیں ذکر نہیں۔ اتنا ذکر ہے کہ تاکستان کے مالک نے بیٹے کو بھیجا۔ باقی یہ کہنا بھی درست نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکستان کا مالک یا مسیح کا باپ (روحانی) ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ آپ کے مطالبہ کا مطلب روحانی ابوّت کا دعویٰ ہی ہو سکتا ہے۔ سو قرآن مجید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین قرار دے کر سب نبیوں کا باپ ٹھہرایا ہے۔ ان انبیاء میں مسیح بھی شامل ہیں۔

علاوہ ازیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لوکان موسیٰ و عیسیٰ حیاین لما وسعھما الا اتباعی کہ اگر موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں میری اطاعت کے بغیر چارہ نہ تھا۔ اس حدیث میں بھی مسیح کے مطاع اور روحانی باپ ہونیکا دعویٰ ہے اور مسلمانوں کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ سب انبیاء جن میں مسیح بھی شامل ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور اور برکت کا نتیجہ ہیں۔

یسعیاہ نبی کی پیشگوئی کو انگوری باغ کی تمثیل کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے صاف کھل جاتا ہے۔ کہ "تاکستان کے مالک" سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

پادری۔ پتہ نہیں آپ نے جو حدیث پیش کی ہے وہ صحیح بھی ہے یا نہیں۔ نیز یہ کہ دوسرے مسلمان بھی اسے مانتے ہیں یا نہیں۔ پھر اس کا کیا ثبوت ہے کہ اگر انہوں نے یہ دعویٰ کیا ہے تو ان کا یہ دعویٰ سچا ہے۔ لوگ غلط دعویٰ بھی کر دیا کرتے ہیں۔

احمدی۔ حدیث کے صحیح ہونے کا یہ قطعی ثبوت ہے کہ وہ قرآن مجید کے عین مطابق ہے۔ خاتم النبیین کے معنے نبیوں کے باپ کے ہیں۔ جناب مولانا محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند نے بھی لکھا ہے کہ :-

"حاصل مطلب آیہ کریمہ اس صورت میں یہ ہوگا کہ ابوّت معروفہ تو رسول اللہ صلعم کو کسی مرد کی نسبت حاصل نہیں پر ابوّت معنوی امتیوں کی نسبت بھی حاصل اور انبیاء کی نسبت بھی حاصل ہے۔ انبیاء کی نسبت تو فقط خاتم النبیین شاہد ہے۔"

(رسالہ تحذیر الناس ص۱۰)

واقعاتی طور پر بھی یہ درست ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دعویٰ کا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت میں سے صدہا اولیاء اور بزرگ پیدا کئے اور اس زمانہ میں مسیح موعود بھی آپ کی

اُمت سے پیدا ہوا جس نے آپ کے اُمتی ہونے کا اعلان فرمایا - دوسرے فرقے شاید آپ کے مطالبہ کا پورا جواب نہ دے سکیں لیکن جماعت احمدیہ کی تو بنیاد ہی اس پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شان کا نبی بنایا ہے کہ مسیح بن مریم سے بڑھ کر آنے والا مسیح موعودؑ بھی آپ کا اُمتی اور غلام ہے

حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ فرماتے ہیں ؎

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

یہ تو گمان و وہم سے احمدؐ کی شان ہے
جس کا غلام دیکھو مسیح الزمان ہے

پادری- اب وقت زیادہ ہو گیا ہے اسلئے ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ختم کرتے ہیں کیونکہ آپ لوگوں نے نہایت اعلیٰ اخلاق اور بلند حوصلہ سے ہمارے پیغام کو سُنا ہے اور ہمیں اپنی باتیں سُنائی ہیں۔

احمدی- ہم بھی آپ کے شکر گزار ہیں - جس طرح آپ یہاں آئے ہیں اور آپ کو آپ کی خواہش کے مطابق اپنی باتیں سُننے کا موقعہ دیا گیا ہے اسی طرح جب ہم آپ کے مشن میں بائیبل کی رُو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں سُنانے کے لئے آئیں گے آپ ہمارے لئے بھی سہولت مہیا کریں گے - واخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین ؛

پادریوں کا خط

ربوہ سے واپس جا کر ۲۲/۶/۵۹ کو پادری صاحبان نے غیظ و غضب اور گالیوں سے بھرا ہوا ایک لمبا خط لکھا ہے جس کا نمونہ ذیل کے اقتباس سے ظاہر ہے۔ گفتگو کا خلاصہ درج ہو چکا ہے اسے پڑھ کر ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ پادری صاحبان کی ناراضگی کا **اصل سبب** کیا ہے - ہم ان لوگوں کو معذور سمجھتے ہیں - اسلامی بشارت کے سلسلہ میں اگر انہیں **انگوری باغ کی تمثیل** بھی غیر متعلق نظر آتی ہے تو ان کی سمجھ کے متعلق کیا کہا جا سکتا ہے - (ایڈیٹر)

"احمدیوں کا دستور ہے کہ گفتگو کے اصل موضوع کو چھوڑ کر غیر موضوع پر اتر آتے ہیں - یہ قابلیت اور گفتگو کے ادب کے سخت منافی ہے - اس سے **ہوشمند** سامعین پر اچھا اثر نہیں پڑتا - بھلا نجات کی خوشخبری پر غور و خوض کرتے وقت بائیبل مقدس کو محرّف مبدّل بیان کرنے، تاکستان کے مالک کی تمثیل (مرقس ۱۲: ۱-۹) بیان کرنے کا کیا تعلق تھا جو آپ نے بیچ میں دے مارا؟ ۲۰ رجون ہم آپ کے پاس ربوہ میں آئے تھے - ہم نے انجیل مقدس کی روشنی میں بنی نوع انسان کی نجات کیلئے عالمگیر خوشخبری آپ کو سُنائی تھی - وقت سے پیشتر آپ کو مطلع کیا گیا تھا کہ آپ کے پاس جو بہتر نجات کی خوشخبری ہے وہ ہم کو سُنائیں - لیکن آپ نے اپنی خو کو ہرگز نہیں بدلا - ہر چھوٹے بڑے احمدی مبلغ

(باقی کالم اوّل پر)

(بقیہ پادریوں کا خط)

میں یہ عیب اب تک موجود ہے کہ اصل موضوع کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مار کر پروگرام کو بے لطف بنانے کی کوشش کرتے ہیں - آپ نے بھی یہی رویہ اختیار کیا"

جماعتِ احمدیہ کی خدماتِ اسلام کا ایک پہلو

ہندوستانی مسلمانوں کی طرف سے صدق دلانہ خراجِ تحسین

فاضل مدیر "دعوت" دہلی کی خدمت میں ایک مناسب تجویز

۱۹۴۷ء کے عظیم انقلاب میں مشرقی پنجاب کے تمام مسلمان مذہبی ادارے اور دینی گدیاں کالعدم ہو گئیں - اور یہ علاقہ مسلمانوں سے قریباً خالی ہو گیا لیکن قادیان ــــ احمدیت کا مرکز ــــ سلسلہ کے فدائی درویشوں کی وجہ سے بدستور اشاعتِ دین کا مرکز بنا رہا - اگرچہ جماعت کا بیشتر حصہ ہجرت پر مجبور ہوا لیکن ۳۱۳ - احمدی درویش قادیان میں دھونی رما کر بیٹھے رہے اور صدر انجمن احمدیہ قادیان باقاعدہ طور پر اپنے کام میں منہمک رہی -

جماعت احمدیہ قادیان کی خدماتِ اسلام کا دائرہ بہت وسیع ہو رہا ہے اور اس کے مفید نتائج پیدا ہو رہے ہیں - گزشتہ دنوں بھارت کے مقبول عوامی ہندو لیڈر بھاوے جی گورداسپور کے علاقہ میں وارد ہوئے تھے جماعت احمدیہ نے انہیں اسلامی لٹریچر پیش کر کے حقِ تبلیغ ادا کیا - اس واقعہ کے سلسلہ میں آپ ذیل کے دو اقتباس ملاحظہ فرمائیں :-

(۱) دہلی کا مشہور اخبار "دعوت" زیرِ عنوان "قادیانی وفد بھاوے جی کی خدمت میں" لکھتا ہے :-

"ابھی جب اچاریہ ونوبا بھاوے پنجاب کا دورہ کر رہے تھے تو قادیان کی جماعت احمدیہ کے ایک وفد نے ان سے ملاقات کی اور ان کی خدمت میں قرآن کریم کا ترجمہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پیش کی - جس پر بھاوے جی نے اپنے خصوصی تاثرات کا اظہار کیا - انہوں نے مختلف مغربی مستشرقین اور ایشیائی مترجمین کے انگریزی تراجم کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ میں نے نہ صرف یہ کہ ان انگریزی ترجموں کو پڑھا ہے بلکہ گجراتی مرہٹی بانوں کے علاوہ اردو زبان میں بھی بعض تراجم و تفاسیر بھی دیکھی ہیں - اس سلسلے میں آپ نے مولانا ابوالکلام آزاد کے ترجمان القرآن کی دو جلدوں کے مطالعہ کا بھی ذکر کیا -

آپ نے کہا "اس وقت بھی میرے پاس قرآن کریم کا ایک نسخہ موجود ہے جو قاعدہ یسرنا القرآن کی طرز پر طبع شدہ ہے -

سیرت کی کتاب کو بھاوے جی نے بڑے اشتیاق سے قبول کیا اور اسی وقت کھول کر دیکھنا شروع کر دیا ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ "میں نے اعظم گڑھ والوں کی طرف سے طبع شدہ سیرت النبیؐ کی چھ جلدوں کا مطالعہ کیا ہے (علامہ شبلیؒ اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کی مرتب کردہ) حضرت

ابوبکرؓ کے سلسلے میں آپ نے کہا یہ رتبہ ہر شخص کو حاصل نہیں ہوا کرتا۔

اسی دن ابنِ بیار تھنا کی تقریب میں آپ نے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اسلام کا کہنا ہے کہ لا نفرق بین احدٍ من رسله سب رسولوں نے عالمگیر بھائی چارے کی دعوت دی ہے جسے ماننا چاہیئے۔ بیچارے احمدی خارج از اسلام سہی لیکن یہ بات کتنی قابل قدر بلکہ لائق تقلید ہے کہ جس پیغام کو انہوں نے حق سمجھا ہے اسے پہنچانے میں کوئی جھجک نہیں محسوس کرتے۔ جس مقام پر عارف اور صوفی دم بخود ہیں وہاں یہ بادہ فروش پہنچ رہے ہیں۔ کاش اب کوئی بندہ حق ان بندگانِ خدا کی اصلاح عقائد کا بیڑا اٹھانے کی مہم چلا سکتا۔" (دعوت دہلی)

(منقول از صدق جدید لکھنؤ ۱۲ر جون ۱۹۵۹ء صٹ)

(۲) جناب مولانا عبدالماجد صاحب ایڈیٹر "صدق جدید" لکھنؤ نے "ایک تبلیغی خبر" کے عنوان سے تحریر فرمایا ہے:۔

"مشرقی پنجاب کی خبر ہے کہ اچاریا ونوبا بھاوے جب پیدل دورہ کرتے کرتے وہاں پہنچے تو انہیں ایک وفد نے قرآن مجید کا ترجمہ انگریزی اور سیرۃ نبوی پر انگریزی کتابیں پیش کیں ـــــ یہ وفد قادیان کی جماعت "احمدیہ" کا تھا۔

خبر پڑھ کر ان سطور کے راقم پر تو جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اچاریا جی نے دورہ اودھ کا بھی کیا۔ بلکہ خاص قصبہ دریاباد میں قیام کرتے ہوئے گئے لیکن اپنے کو اس قسم کا کوئی تبلیغی تحفہ پیش کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔ نہ اپنے کو نہ اپنے کسی ہم مسلک کو ندوی، دیوبندی تبلیغی اسلامی جماعتوں میں سے! آخر یہ سوچنے کی بات ہے یا نہیں کہ جب بھی کوئی موقع اس قسم کی تبلیغی خدمت کا پیش آتا ہے یہی "خارج از اسلام" جماعت شاہ نکل جاتی ہے۔ اور ہم سب "دین دار" منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔"

(صدق جدید ۱۹ر جون ۱۹۵۹ء ص٣)

الفرقان۔ فاضل مدیر "دعوت" نے جماعت احمدیہ کے جذبۂ خدمتِ دین کو "قابلِ قدر بلکہ لائق تقلید" قرار دیا ہے اور ساتھ ہی تحریر کیا ہے کہ "کاش اب کوئی بندۂ حق ان بندگانِ خدا کی اصلاح عقائد کا بیڑا اٹھانے کی مہم چلا سکتا۔" ہمیں فاضل مدیر کی خواہش کا بہت احترام ہے اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان علماء میں سے کوئی گروہ یا بزرگ اس خواہش کے پورا کرنے کے لئے میدان میں آئے اور مخلصانہ طور پر ہمارے عقائد کو اور ان کے دلائل کو سنے۔ ہماری پیش کردہ آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ کے استدلال پر توجہ فرمائے اور اگر ہمارے عقائد میں غلطی ہو تو اس کی "اصلاح" فرما کر ہمیں ممنون فرمائے۔ ہمیں تو یہی حسرت ہے کہ ان لوگوں میں جماعت احمدیہ کے عقائد پر غور کرنے اور احمدیوں کے استدلال کو سننے کی تاب نہیں۔ علماء تو عوام کو "قادیانیوں" کی بات تک سننے سے روکتے رہتے ہیں۔

ہم نہایت شوق سے اس وقت کے منتظر ہیں جب مسلمانوں میں جماعت احمدیہ کے عقائد کے بارے میں انصاف

کا جذبہ پیدا ہوگا۔ ہم تو علیٰ وجہ البصیرت اس بات پر قائم ہیں کہ ہمارے عقائد عین اسلامی عقائد ہیں اور درحقیقت یہی اسلامی عقائد ہیں۔ ہم اللہ تعالےٰ کی **توحید کامل** پر ایمان لاتے ہیں اور کسی قسم کے شرک کے قائل نہیں۔ ہم رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی **خاتمیت** اور آپ کی **افضلیت** کے معتقد ہیں۔ اسی بناء پر قرآن مجید کی روشنی میں ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بھی دیگر انبیاء کی طرح وفات پا گئے ہیں اور آنے والا مسیح موعود امّتِ محمدیہ کا ایک فرد ہے۔ ہمارے نزدیک حیاتِ مسیح کا وہ عقیدہ جو عام مسلمانوں میں رائج ہے نہ صرف قرآن مجید کے بیانات کے مخالف ہے بلکہ یہ صورتِ حال تو انجام کار اللہ تعالےٰ کی توحید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے بھی منافی ہے۔ ہمارے عقائد میں یہ امر بھی شامل ہے کہ قرآن مجید میں کوئی آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ سارے کا سارا قرآن مجید ایک محکم اور زندہ کتاب ہے اور اسی کی پیروی سے انسان کو نجات ملتی ہے اور وہ تمام روحانی نعمتوں کو پا سکتا ہے جو پہلے انعام یافتہ لوگ پاتے رہے ہیں۔ غرض ہم نسخ فی القرآن کے قائل نہیں اور اسے عظمتِ قرآن کریم کے خلاف سمجھتے ہیں۔

ایک اور اختلافی عقیدہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت اور افضلیت کا تقاضا یہ ہے کہ باقی جملہ انبیاء کے فیوض ختم قرار پائیں اور باقی اُمتوں کے لئے قرب الٰہی کے پانے کے دروازے بند ہوں لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے لئے تمام نعمتوں ــــ صالحیت، شہیدیت، صدیقیت اور نبوّت ــــ کے دروازے کھلے ہوں۔ اور قرآن پاک کی پیروی کرنے والے حسبِ درجات ان مراتب کو پاتے رہیں۔ اسی وجہ سے ہم یقین رکھتے ہیں کہ مسیح موعود امتی **غیر تشریعی نبی** ہے۔ گویا ہم زندہ خدا کے زندہ مکالمہ مخاطبہ کے قائل ہیں اور دُنیا کو یہ اُمید بھرا پیغام دے رہے ہیں کہ زندہ خدا جس طرح پہلے زمانوں میں اپنے بندوں سے بولتا رہا ہے آج بھی اپنے سچے طلبگاروں سے ہمکلام ہوتا ہے۔

یہ وہ ہمارے چار **اختلافی عقائد** ہیں جن کی اصلاح کے لئے فاضل مدیر "دعوت" تمنّا ظاہر فرما رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ عقائد معقول اور موثر ہیں۔ اور جہاں تک گزشتہ نصف صدی کے واقعات کا تعلق ہے مخالف مسلمان علماء نے گالیوں، بدزبانیوں اور الزام تراشیوں سے احمدیوں کی دلآزاری ضرور کی ہے مگر یہ کہ ان عقائد کے بارے میں معقول طور پر کوئی بحث کی ہو تو اس کی مثال اگر شاذ و نادر ہو تو ممکن ہے ورنہ عام طور پر کبھی ایسا نہیں ہوا۔

ہم ان علماء کو اپنے اس رویہ میں معذور جانتے ہیں کیونکہ ان کو یقین ہے کہ اگر دلائل کا موازنہ ہوا تو وفاتِ مسیح کے دلائل والا پلڑا بھاری ہوگا۔ اگر دلائل کا موازنہ ہوا تو عدم نسخ فی القرآن کے دلائل کا وزن ہی زیادہ ہوگا۔ اگر دلائل کا موازنہ ہوا تو اُمت کے لئے نبوّت غیر تشریعی کے جاری رہنے کے دلائل کو ہی فوقیت حاصل ہوگی۔ اگر دلائل کا موازنہ ہوا تو اللہ تعالےٰ کے زندہ کلام کے دلائل کا مقابلہ نہ ہو سکے گا۔ علماء صاحبان اپنے اس یقین کی وجہ سے کبھی بھی صحیح طریق سے عوام مسلمانوں کو طرفین کے دلائل کو جاننے اور سوچنے کا موقعہ نہیں دینا چاہتے۔ فاضل مدیر "دعوت" سے درخواست ہے کہ وہ دوسروں کو ہماری "اصلاح عقائد" کی تحریک کی بجائے خود ہی اس کے لئے موقعہ بہم پہنچائیں۔ جس کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے عقائد اور ان کے دلائل تحریر کر کے انہیں بھیج دیں۔ وہ اس مقالہ کو شائع کر دیں اور پھر کوئی صاحبِ علم ان دلائل کا جواب تحریر فرما دیں جسے شائع کر دیا جائے۔ اور اگر ہو سکے

تو اس طرز پر پانچ پرچے مرتب ہو جانے پر انہیں مشترکہ طور پر شائع کر دیا جائے۔ تا احمدی اور دوسرے مسلمان بھائی اپنے اپنے دلائل کا جائزہ لے سکیں اور ہر ایک کو معلوم ہو سکے کہ ان کے دلائل کہاں تک حقیقت پر مبنی ہیں۔ (ہم الفرقان کا یہ رسالہ اس تجویز کے پیش نظر خاص طور پر بذریعہ رجسٹری فاضل مدیر "دعوت" دہلی کے نام بھیج رہے ہیں)۔

ہماری غرض کسی قسم کا مباحثہ یا مناظرہ نہیں ہے۔ بلکہ طرفین کے عقائد کے دلائل کے جائزہ کی صورت پیدا کرنا ہے۔ اگر اس سے بہتر کوئی صورت پیش کی جا سکے تو جماعت احمدیہ کو اس سے بھی انکار نہ ہوگا۔ اے کاش کہ ہمارے مسلمان بھائی ہمارے اس درد کا دسواں حصہ بھی محسوس کر سکیں جو ہمیں اس وجہ سے ہو رہا ہے کہ مسلمان قرآنی عقائد اور اسلامی روح سے دور چلے جانے کے باعث آج اس روحانی لذت سے محروم ہو رہے ہیں جو پہلے مسلمانوں کو حاصل تھی۔ وہ آج اس جذبۂ دینی سے دور جا رہے ہیں جو اوّلین مسلمانوں کی غذا تھا۔ ان میں اسلام کے لئے اس قربانی اور ایثار کا فقدان ہو رہا ہے جو حقیقی مسلمانوں کا طرۂ امتیاز تھا۔ ہمارے نزدیک یہ پژمردگی درحقیقت صحیح عقائد سے بُعد اور اسلامی روح سے نا آشنائی کا نتیجہ ہے۔ اور احمدیہ تحریک اسی کی اصلاح اور تجدید اسلام کے لئے کھڑی ہوئی ہے۔

بہرحال اب وقت آ گیا ہے کہ سنجیدہ مزاج مسلمان احمدی جماعت کے عقائد کے ساتھ بھی انصاف فرمائیں۔ انہیں اپنے سے اتنا دور نہ کریں کہ احمدیوں کی خدمت اسلام کو دیکھ کر انہیں مسرت کی بجائے حسرت حاصل ہو۔ احمدی اسلام کی فوج ہیں اور وہ ہمہ تن اپنے مسلمان بھائیوں کے ہی خواہ ہیں۔ تمام مسلمانوں کو بجا حق حاصل ہے کہ وہ اپنی فوج کے کارناموں کو اپنا کر فخر کریں ☆

زمانۂ مسیح موعودؑ کی دو عظیم الشان علامات

(بقیہ صفحہ ۲۴)

چاہتے ہیں۔ گاڑیاں عموماً بہت اچھی ہیں"

(اخبار المنار لائلپور ۲۰ راپریل ۱۹۵۹ء)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ خاص حجاز اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کا کامل ظہور ہو چکا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ جب یہ علامات جو مسیح موعود کے زمانہ کی علامات تھیں پوری ہو چکی ہیں تو یقیناً مسیح موعود آ چکا ہے اور اس وقت پر مبعوث ہونے والے فرستادۂ ربانی کی آواز پر لبیک کہنا اہل ایمان کا فرض ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

راولپنڈی میں ہماری ایجنسی

راولپنڈی کے جملہ خریدار حضرات کی اطلاع کے لئے شائع کیا جاتا ہے کہ وہاں پر الفرقان کی باقاعدہ ایجنسی موجود ہے۔ جس جس خریدار کا چندہ ختم ہوتا جائے وہ آئندہ چندہ ایجنسی کو دیکر وہاں سے رسالہ لیا کریں۔ پتہ یہ ہے:-

رفیق احمد صاحب ہلوی معرفت احمد کمرشل کالج
کشمیری بازار۔ راولپنڈی

(مینیجر الفرقان)

زمانۂ مسیح موعودؑ کی دو عظیم الشان علامات

افراطِ زر اور اونٹوں کے ترک کئے جانے کے متعلق حدیث نبوی کی پیشگوئی کا ظہور

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّتِ محمدیہ کے آخری دَور میں مسیح موعود کی آمد کی بشارت دی اور فرمایا کہ وہ دینِ اسلام کی تجدید کرے گا اور مسلمانوں کی اصلاح کریگا اس آنے والے موعود کی خبر کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اور بھی علامات بیان فرمائیں جن سے اس کے زمانہ کی تعیین ہوجاتی ہیں۔

صحیح مسلم میں دو اہم علامتیں مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کی ذکر ہوئی ہیں:۔

(۱) رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں "یفیض المالُ حتّٰی لا یقبله احد" کہ اس زمانہ میں مال کی اتنی کثرت ہوگی کہ اسے کوئی قبول نہ کرے گا۔ ان الفاظ میں درحقیقت آخری زمانہ میں افراطِ زر کی مصیبت کے عام ہونے کی پیشگوئی ہے ورنہ عام دولت کا انکار کرنے والے افراد کہاں ہیں۔ طمع اور لالچ تو نہ ختم ہونے والی بیماری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے لا یملأ بطن ابن آدم الّا التراب کہ عام انسانوں کی حرص قبر میں جاکر ہی ختم ہوتی ہے۔ لو کان لابن آدم وادیان من ذھب لابتغی ثالثًا۔ اگر آدم زاد کے پاس سونے کی دو بھری ہوئی وادیاں بھی ہوں تب بھی وہ تیسری کا خواہشمند ہوگا اسلئے حدیث بالا کا یہ مفہوم درست نہ ہوگا کہ مسیح موعود کے وقت میں سب لوگ روپیہ لینے سے انکار کریں گے۔

صحیح مسلم کا جو نسخہ علماء کی ایک جماعت کی زیر نگرانی ۱۳۳۲ھ میں مصر میں طبع ہوا ہے اس میں حاشیہ پر لکھا ہے:" ویحسن الرفع علی الاستئناف فی ویفیض المال لانّهٗ لیس من فعل عیسٰی علیه السّلام" کہ حدیث میں المال کو فاعل پڑھنا چاہیئے کیونکہ یہ کثرت مسیح موعود کی پیدا کردہ نہیں بلکہ خود بخود پیدا ہونے والی ہے۔

غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مال کی وہ کثرت جسے افراد اور ممالک قبول کرنے سے انکار کرینگے بلکہ اسے اپنے لئے مصیبت اور عذاب سمجھیں گے وہ افراطِ زر ہے۔ گویا اس حدیث نبوی میں یہ پیشگوئی بیان ہوئی ہے کہ آخری زمانہ میں افراطِ زر ایسی مصیبت ہوگی کہ اس سے اس زمانہ کے سب لوگ نالاں ہوں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی کس طرح پوری ہوئی اس کے لئے ہم ذیل میں ایک اقتباس نقل کرتے ہیں۔ لکھا ہے:۔

"سارے سرکاری انتظامات کے باوجود فرانس کے کوئی چالیس لاکھ فرد انتہائی عسرت کی زندگی بسر کررہے ہیں اور افراطِ زر کو ملک کی سب سے بڑی

لعنت قرار دے لیے ہیں .....

ایک سابق وزیر فرانس کا بیان ہے کہ افراطِ زر زندگی کے ہر شعبے پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کی موجودگی میں نہ کوئی متوازن بجٹ ملک کا بن سکتا ہے نہ سرمایہ کاری ہو سکتی ہے۔ نہ ملازموں کے تحفظ کا یقین رہتا ہے اور نہ کوئی معاشرتی قانون سازی مؤثر ہوتی ہے

افراطِ زر قوم کے ہر طبقے کی اخلاقی صحت کو تباہ کر دیتا ہے۔"

(بحوالہ صدق جدید لکھنؤ ۵ مئی ۱۹۵۹ء)

اس اقتباس کی روشنی میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی "یفیض المال حتّی لا یقبلہٗ احد" کی اہمیت اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔ اقتباس سے یہ بھی ثابت ہے کہ موجودہ زمانہ میں حضور علیہ السلام کی پیشگوئی کس شان سے پوری ہو رہی ہے۔

(۲) مسیح موعود کے زمانہ کی دوسری علامت صحیح مسلم کے اس باب میں ان الفاظ میں مذکور ہے۔ ولیترکنّ القلاص فلا یسعیٰ علیھا۔ کہ اس زمانہ میں تیز رفتاری کے لحاظ سے نئے آلات و ذرائع کے باعث تیز رو اور جوان اونٹوں کو بھی بیکار سمجھا جائے گا اور تیز رفتاری کے لئے انہیں استعمال نہ کیا جائے گا۔

سرزمین عرب میں آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پیشتر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ پیشگوئی کرنا کتنا تعجب خیز تھا کہ ایک وقت آتا ہے جب اونٹ تیز رفتار سواری کی حیثیت سے متروک ہو جائیں گے اور یہ اس آخری زمانہ میں ہو گا جو مسیح موعود کے ظہور کا زمانہ ہو گا۔ مگر آج واقعات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خبر کو بھی حرف بحرف پورا کر دیا ہے۔ دنیا بھر میں سریع السیر ذرائع حمل و نقل عام ہو گئے ہیں۔ ریلوں، موٹروں، موٹر سائیکلوں اور ہوائی جہازوں وغیرہ کے ذریعہ سے سفر اتنی جلدی طے ہوتا ہے کہ پہلے وہم و گمان بھی نہ تھا۔ قرآن مجید نے فرمایا تھا: والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا وزینۃ ویخلق ما لا تعلمون (النحل ع ۱) کہ گھوڑے، خچریں اور گدھے تمہاری سواری اور زینت کے لئے پیدا کئے ہیں اور اللہ تعالیٰ آئندہ زمانہ میں اور بھی ایسی سواریاں پیدا کرے گا جنہیں آج تم نہیں جانتے۔

اللہ تعالیٰ کا قول ویخلق ما لا تعلمون ہر زمانہ میں اپنی صداقت ثابت کرتا رہا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص علم الٰہی کے ماتحت یہ خبر دی تھی کہ مسیح موعود کے زمانہ میں اس پیشگوئی کا اتنا ظہور اور اس رنگ میں اس کی بہتات ہو گی کہ تیز رفتاری کے لئے اونٹوں کا استعمال متروک ہو جائے گا۔

آج ہم اپنی آنکھوں دیکھتے ہیں کہ یہ پیشگوئی ساری دنیا میں پوری ہو چکی ہے۔ ہم ذیل میں مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کے "سفر حج" کے مضمون سے ایک اقتباس نقل کرتے ہیں۔ مولانا نے حجاز کے متعلق لکھا ہے کہ:۔

"یہاں کے ڈرائیور گاڑیاں بہت تیز رفتار سے چلانے کے عادی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے اونٹ کے بعد ان کو جو موٹریں مل گئی ہیں تو اونٹ کی سست رفتاری کا انتقام وہ موٹروں سے لینا

(باقی صفحہ ۳۲ پر)

عید الاضحیٰ کی قربانیاں

مولانا غلام مرشد صاحب کا خطبۂ عید قربان

شاہی مسجد لاہور کے خطیب مولانا غلام مرشد صاحب نے جو ایک عمدہ سلجھی ہوئی طبیعت رکھنے والے عالم ہیں" لکل عالم هفوة "کے مطابق اس عید الاضحیٰ کے خطبہ میں یہ تحریک کی ہے کہ جانوروں کی قربانی کی بجائے روپوں سے قومی کاموں میں امداد دیدی جایا کرے۔ مولانا کی یہ تجویز اسلامی روح، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے **اُسوۂ حسنہ** اور آپ کے **ارشادات کے صریح خلاف** ہے۔ اس قسم کی باتوں سے الحاد اور اباحت کا ایسا باب وا ہوتا ہے کہ پھر دین کی شکل ہی مسخ ہو جاتی ہے۔

ذیل میں ہم "رفتار زمانہ" (۱۸؍جون) اور "الاعتصام" (۲۶؍جون) سے بصد شکریہ اس بارے میں دو قیمتی مضمون نقل کرتے ہیں۔ "رفتار زمانہ" والا حضرت مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ ربہ ایم۔اے کا جامع مضمون عام سوالات کے جواب میں ہے۔ "الاعتصام" والا مولانا سید محمد داؤد صاحب غزنوی کا ٹھوس مضمون خاص مولوی غلام مرشد صاحب کے جواب میں ہے۔

(ایڈیٹر)

عید الاضحیٰ کی قربانیاں

(حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے کے قلم سے)

سوال یہ ہے کہ عید الاضحیٰ کے موقعہ پر غیر حاجیوں کے لئے بھی قربانی واجب ہے تو اس کا ثبوت کیا ہے؟ اس کے جواب میں پہلی بات تو یہ یاد رکھنی چاہیئے کہ اگر واجب یا ضروری کا سوال ہو۔ تو غیر حاجی تو درکنار حاجیوں پر بھی قربانی ہر صورت میں واجب نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لئے شریعت نے بعض خاص شرطیں لگائی ہیں۔ مثلاً خالی حج کرنے والے پر (جو اصطلاحاً افراد کہلاتا ہے) قربانی واجب نہیں بلکہ صرف اس صورت میں واجب ہے کہ وہ یا تو حج اور عمرہ کو ایک ہی وقت جمع کرنے والا ہو۔ جسے اسلامی اصطلاح میں تمتع یا قران کہتے ہیں (قرآن شریف سورۃ بقرہ آیت ۱۹۷) اور یا وہ ایسے حاجی پر واجب ہے جو حج کی نیت سے نکلے۔ مگر پھر حج کی تکمیل سے پہلے کسی حقیقی مجبوری کی بناء پر حج ادا کرنے سے محروم ہو جائے۔ (سورہ بقرہ آیت ۱۹۷) اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مالی لحاظ سے قربانی کی طاقت رکھتا ہو۔ ورنہ وہ قربانی کی بجائے روزہ کا کفارہ پیش کر سکتا ہے۔ پس جب ہر حالت میں حاجیوں کیلئے بھی قربانی فرض نہیں تو یہ کس طرح دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ غیر حاجیوں کے لئے وہ فرض یا واجب ہے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بے شک قربانی کی طاقت نہ رکھنے والے غیر مستطیع لوگوں کے لئے قربانی واجب نہ سہی مگر کیا وہ ایسے طاقت رکھنے والے مستطیع لوگوں کے لئے واجب ہے جو غیر حاجی ہوں؟ سو اس کے جواب میں اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ گو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرض یا واجب یا سنت وغیرہ فقہی اصطلاحیں استعمال نہیں کیں مگر صحیح حدیث سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ عید الاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی کی اور اپنے صحابہؓ کو بھی اس کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ:۔

عن ابن عمر قال اقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینة عشر سنین

یضحی (ترمذی)

"یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ میں دس سال گزارے۔ آپ نے ہمیشہ عید الاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی کی۔"

بلکہ آپ کو عید الاضحیٰ کی قربانی کا اس قدر خیال تھا کہ آپؐ نے وفات سے قبل اپنے داماد اور چچا زاد بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی کہ میرے بعد بھی میری طرف سے عید الاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی کرتے رہنا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ:-

عن حنش قال رأیت علیاً رضی اللہ عنہ یضحی بکبشین فقلت لہ ماھٰذا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصانی ان اضحی عنہ فانا اضحی عنہ۔

(ابوداؤد)

"یعنی حنشؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا کہ وہ عید الاضحیٰ کے موقعہ پر دو دنبے قربان کر رہے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ دو دنبوں کی قربانی کیسی ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ میں آپؐ کی طرف سے قربانی (آپؐ کی وفات کے بعد) کرتا رہوں۔ سو میں آپؐ کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ عید الاضحیٰ کے دن قربانی کرنا آپؐ کا ذاتی فعل ہی نہیں تھا بلکہ آپؐ اپنے صحابہؓ کو بھی اس کی تحریک فرماتے تھے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ:-

عن البراءؓ قال خطبنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم النحر فقال ان اول ما نبدأ بہ فی یومنا ھٰذا ان نصلی ثم نرجع فننحر فمن فعل ذالک فقد اصاب سنتنا۔ (بخاری ومسلم)

"یعنی حضرت براءؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عید الاضحیٰ کے دن خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ اس دن پہلا کام یہ کرنا چاہیئے کہ انسان عید کی نماز ادا کرے اور پھر اس کے بعد قربانی دے۔ سو جس نے ایسا کیا اس نے ہماری سنت کو پالیا۔ اُوپر کی حدیث میں ایک طرح سے سنت کا لفظ بھی آگیا ہے۔ اور چونکہ یہ اصطلاحی طور پہ استعمال نہیں ہوا اس لئے اس سے وجوب کا پہلو بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اور ایک دوسرے موقعہ پہ آپؐ نے فرمایا کہ:-

من وجد سعۃ ولم یضح فلا یقربن مصلانا (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۳۲۱)

یعنی جس شخص کو مالی لحاظ سے توفیق ہو اور پھر وہ عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی نہ کرے اس کا کیا کام ہے کہ ہماری عیدگاہ میں آکر نماز میں شامل ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد جس تاکید کا حامل ہے وہ کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ اور جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر دوسرے ارشاد کو مقبولیت کی برکت حاصل ہوئی۔ اسی طرح اس ارشاد کو بھی صحابہ کرامؓ نے اپنے حرزِ جان بنایا۔ چنانچہ حدیث میں لکھا ہے:-

عن جبلۃ بن سحیم ان رجلاً سأل ابن عمر عن الاضحیۃ اواجبۃ ھی فقال ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والمسلمون فاعادھا علیہ فقال اتعقل ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والمسلمون (ترمذی)

یعنی جبلہ ابن سحیم روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا کہ کیا عید الاضحیٰ کی قربانی واجب ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی قربانی کرتے تھے اور آپؐ کی اتباع میں صحابہ بھی قربانی کرتے تھے۔ اس شخص نے اپنے سوال کو پھر دُہرایا اور کہا کیا قربانی واجب ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ تم میری

بات سمجھ نہیں سکے۔ میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی قربانی کیا کرتے تھے اور آپ کے ساتھ دوسرے مسلمان بھی کرتے تھے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کام صرف شوق کی خاطر یا دوستوں اور غریبوں کو گوشت کھلانے کی غرض سے نہیں تھا بلکہ اسے ایک دینی کام سمجھتے اور بھاری ثواب کا موجب خیال فرماتے تھے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ:۔

عن زید بن ارقمؓ قال قال اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا رسول اللہ ما ھذہ الاضاحی قال سنۃ ابیکم ابراھیم قالوا فما لنا فیھا یا رسول اللہ قال بکلّ شعرۃ حسنۃ (ابن ماجہ و مسند احمد بحوالہ مشکوٰۃ شریف)

یعنی زید بن ارقمؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے آپؐ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ یہ عید الاضحی کی قربانیاں کیسی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی سنت ہے انہوں نے پوچھا کہ ان میں کتنا ثواب ہے؟ آپ نے فرمایا۔ قربانی کے جانور کے جسم کے ہر بال پر قربانی کرنے والے کے لئے ایک نیکی ہے جو اسے خدا سے اجر پانے کا مستحق بنائے گی۔"

ایک اور موقعہ پر آپؐ نے نہ صرف اپنی طرف سے قربانی کی بلکہ تحریک اور تاکید کی غرض سے اپنی امت کی طرف سے بھی قربانی دی۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ:۔

عن عائشۃ رضؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر بکبش ثمّ ذبحہ بیدہ ثم باسم اللہ اللّٰھمّ تقبّل من محمّد وآل محمّد ومن اُمّۃ محمّد (صحیح مسلم)

یعنی عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ عید کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دنبہ منگوایا۔ پھر اسے خود اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور کہا کہ میں یہ دنبہ خدا کے نام سے ذبح کرتا ہوں اور پھر دعا فرمائی کہ اے میرے خدا اس قربانی کو تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل کی طرف سے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ساری امت کی طرف سے قبول فرما۔"

کیا ان واضح اور قطعی روایتوں کے ہوتے ہوئے جو صرف نمونہ کے طور پر دی گئی ہیں کوئی سچا اور واقف کار مسلمان اس بات کے کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ قربانی صرف حاجیوں کے لئے ہے اور غیر حاجیوں کے لئے عید الاضحی کے موقعہ پر کوئی قربانی مقرر نہیں۔ بے شک یہ درست ہے قربانی صرف طاقت رکھنے والوں پر واجب ہے اور بعض احادیث سے یہ پتہ بھی لگتا ہے کہ اگر سارے گھر کی طرف سے ایک مستطیع شخص قربانی کر دے تو یہ قربانی سب کی طرف سے سمجھی جا سکتی ہے (نسائی و ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ) مگر بہرحال عید الاضحی کے موقعہ پر حسب توفیق قربانی کرنا ہمارے رسول (فداہ نفسی) کی ایک سنت ہے۔ جس کے متعلق ہمارے آقا نے تاکید فرمائی اور اسے بھاری ثواب کا موجب قرار دیا ہے۔

اس موقعہ پر لوگ یہ سوال اٹھایا کرتے ہیں کہ بیشک حدیثوں میں عید الاضحی کی قربانی کا ثبوت ملتا ہے لیکن چونکہ قرآن شریف میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے اسلئے ایک زائد قسم کی بات سمجھی جائے گی جسے زمانے کے حالات کے تحت ترک کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ نظریہ بالکل الحاد اور اباحت اور دنیوی رجحانات سے مخمور ہے کیا قرآن شریف نے یہ نہیں فرمایا کہ:۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

(سورہ احزاب ع ۳)

یعنی اے مسلمانو تمہارے لئے رسول خدا کی سنت میں ایک بہترین نمونہ ہے جسے تمہیں اپنی زندگیوں کے لئے مشعل راہ بنانا چاہیئے۔"

اور دوسری جگہ فرماتا ہے اور بار بار کثرت کیساتھ فرماتا ہے:۔

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول (سورہ نساء ع)

یعنی اے مسلمانو خدا کی اطاعت کرو اور اس کے ساتھ ساتھ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی کرو۔"

اب اگر خدا کی اطاعت ــــ یعنی دوسرے الفاظ میں قرآنی وحی پر ہی سارے اسلامی احکام کا خاتمہ ہوگیا تھا تو پھر ــــ قرآن شریف کو ان الفاظ کے زیادہ کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ ("اطیعوا الرسول") یعنی رسول کی بھی تابعداری کرو۔ حق یہی ہے کہ چونکہ قرآنی وحی میں اختصار کی غرض سے کئی جگہ اجمال کا رنگ ہے اور ہر شخص اجمالی رنگ میں احکام کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتا اسلئے خدا تعالیٰ نے کمال حکمت سے رسول کو بھی شریعت کا حصہ قرار دیا ہے تا کہ شریعت میں کوئی پہلو عدم تکمیل کا باقی نہ رہے۔ اور نہ کوئی شخص جھوٹے عذر بنا کر شریعت کے حکموں کو ٹال سکے۔ پس اگر ایک بات قطعی شہادت کے ذریعہ سنّت اور حدیث سے ثابت ہو جائے تو وہ ہمیں ہر حال قبول کرنی ہوگی۔ اور میں اس شخص کی جرأت کو یقیناً غیر دینی روح کا مظاہرہ خیال کرتا ہوں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے رسول کی اُمت میں ہو کر یہ کہتا ہے کہ میں محمدؐ کی بات نہیں مانتا وہ شخص اپنی بیوی اور اپنے بچوں اور اپنے دوستوں کی تو روز انہ سینکڑوں باتیں مانتا ہے مگر جب افضل الرسل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بیان کی جاتی ہے تو کہتا ہے یہ نہیں بلکہ کوئی قرآنی آیت پیش کرو۔

هیهات هیهات لما یصفون۔

لیکن حق یہ ہے کہ قرآن شریف بھی اس مسئلے میں خاموش نہیں بلکہ اس نے بھی اپنے طریق کے مطابق قربانیوں کے مسئلہ پر اصولی روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ:۔

انا اعطینٰک الکوثر ۞ فصل لربک
وانحر ۞ ان شانئک ھو الابتر ۞
(قرآن کریم سورۃ الکوثر)

یعنی اے رسول! ہم نے تجھے اسلام کے ذریعہ ایک وسیع اور کامل نعمت عطا کی ہے۔ اب تجھے اس نعمت کو قائم رکھنے کیلئے چاہیئے کہ خدا کی نماز ادا کر اور اس کے رستہ میں قربانی دے۔ اس کے نتیجہ میں دین و دنیا کی نعمتیں تیری طرف کھنچی آئیں گی۔ اور تیرا دشمن خیر اور برکت سے محروم رہے گا۔

یہ آیت بلکہ یہ سورت (کیونکہ یہ ساری سورت ہے) مکہ کے آخری زمانہ میں یا مدینہ کے شروع زمانہ میں نازل ہوئی تھی (فتح القدیر امام شوکانی) جبکہ ابھی تک کعبہ کفار کے قبضہ میں تھا اور حج بھی ابھی فرض نہیں ہوا تھا اسلئے اس جگہ نحر یعنی قربانی کے لفظ میں حج کی قربانی مراد نہیں سمجھی جائے گی بلکہ عام قربانی مراد سمجھی جائے گی جس کا سب سے وسیع موقع عیدالاضحیٰ کے ایام ہیں۔ اور میں بتا چکا ہوں کہ عیدالاضحیٰ کا دوسرا نام یوم النحر بھی ہے اس کے علاوہ دوسری جگہ حج کے احکام کی ضمن میں قرآن شریف فرماتا ہے کہ:۔

فان احصرتم فما استیسر من الھدی
(سورہ بقرہ)

یعنی اے مسلمانو! اگر تم کسی مجبوری کے نتیجہ میں حج سے روک دیئے جاؤ تو تمہیں چاہیئے کہ اس کے کفارہ کے طور پر قربانی خدا کے رستہ میں دو۔"

اب بے شک یہ آیت بظاہر ان کے لئے ہے جو حج کے ارادے سے نکلیں اور پھر رستہ میں کسی مجبوری (مثلاً بیماری یا دشمن کے روکنے یا زادِ راہ کے ضائع ہو جانے وغیرہ کی وجہ سے حج کی تکمیل سے روک دیئے جائیں) مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی انتہا درجہ نکتہ رس طبیعت نے غالباً اس قرآنی آیت میں بھی یہ اشارہ سمجھا کہ ہر سچے مسلمان کے دل میں طبعاً حج کی خواہش ہوتی ہے اور اگر وہ کسی مجبوری کی وجہ سے حج کو نہیں جا سکتا تو ایک طرح اس کا معاملہ بھی گویا اس آیت کے نیچے آجاتا ہے۔ جس میں ہدایت پائی ہے کہ اگر تم حج سے روک دیئے جاؤ تو قربانی دو۔ اگر غور کیا جائے تو اس آیت سے بھی عیدالاضحیٰ کی قربانی کا استدلال ہوتا ہے اور اغلب یہ ہے کہ جس طرح مثلاً نماز کے اجمالی حکم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے پانچ نمازوں کے وقتوں کی تعیین فرما کر ان کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح آپ نے حج سے روکے جانے کی صورت میں قربانی دینے کے حکم سے بھی یہ استدلال فرمایا ہوگا کہ ہر وہ مسلمان جو کسی مجبوری کی وجہ سے حج کو نہیں جا سکتا وہ گویا بالمعنی حاجی کے مفہوم میں آجاتا ہے۔ اور اگر وہ قربانی کی طاقت رکھتا ہے۔ کیونکہ طاقت کا ہونا بہرحال لازمی شرط ہے تو اسے چاہیئے کہ قربانی دے کر نہ صرف حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کی یاد کو زندہ رکھے۔ بلکہ حج کی محرومی کا کفارہ بھی دے۔ بہرحال قرآن شریف میں فصلِّ لربّك وانحر۔ "نماز کو قائم کرو اور قربانی دو" اس بات کی طرف قطعی اشارہ کر دیتے ہیں کہ قربانی کے حکم کی اصل بنیاد قرآن مجید پر ہی قائم ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بھی دراصل اسی قرآنی حکم کی فرع ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ آیا عید الاضحیٰ کی قربانی فرض ہے یا کہ واجب یا سنّت وغیرہ۔ سو گو غیر اصطلاحی طور پر سنّت کا لفظ اُوپر کی حدیثوں میں آچکا ہے۔ مگر بہرحال یہ فقہاء کی اصطلاحیں ہیں جن میں ہمیں جانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ ہمارے لئے صرف اس قدر جاننا کافی ہے کہ قربانی کے حکم کی بنیاد قرآن نے قائم فرمائی۔ اور پھر اس بنیاد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت اور اقوال اور ارشادات نے مستحکم کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھاری ثواب کا موجب قرار دیا لیکن اگر کسی صاحب نے ائمہ فقہ کا مذہب اور ان کی اصطلاح میں بھی اس مسئلہ کا مطالعہ کرنا ہو تو اس کے لئے ذیل کے دو مختصر سے حوالے کافی ہونے چاہئیں۔

کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعۃ طبع مصری جلد ۱ صفحہ ۵۹۳ صفحہ ۵۹۴ میں مرقوم ہے:۔

ترجمہ:۔ یعنی عید الاضحیٰ کی قربانیوں کی مشروعیت پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ عام ائمہ فقہ کے نزدیک تو عید الاضحیٰ کی قربانی ایک سنّتِ مؤکدہ ہے لیکن حنفی اماموں کا فتویٰ ہے کہ وہ محض سنّت نہیں بلکہ واجب ہے۔

اور بہرصورت اس کی شرط یہ ہے کہ انسان مالی لحاظ سے اس کی طاقت رکھتا ہو اور ترمذی کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ:۔

اختلفوا انّ الاضحیۃ واجبۃ اوسنّۃ فذهب ابوحنیفۃ وصاحباه الی انّها واجبۃ علی کلّ حرّ مسلم مقیم موسر وعند الشافعی سنّۃ مؤکدۃ وهو المشهور فی مذهب احمد وفی مذهب مالك انها سنّۃ واجبۃ علی من استطاعها ۔ (حاشیہ ترمذی)

یعنی اس بات میں اختلاف ہوا ہے کہ عید الاضحیٰ کی قربانی واجب ہے یا کہ سنّت۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے دو ساتھیوں امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ ہر آزاد مقیم صاحبِ استطاعت مسلمان پر قربانی واجب ہے مگر امام شافعیؒ کے نزدیک واجب نہیں بلکہ سنّتِ مؤکدہ ہے۔ اور یہی مشہور مذہب امام احمدؒ کا ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک عید کی قربانی کرنے والے کو اگر اس کی طاقت ہو تو یہ سنّتِ واجبہ ہے۔"

ان دو حوالوں سے ظاہر ہے کہ حنفی اماموں کے نزدیک (اور مغربی پاکستان میں قریباً نوے فیصد حنفی اصحاب ہی ہیں) عید الاضحیٰ کی قربانی ہر طاقت رکھنے والے مسلمان پر واجب ہے اور قریباً یہی مذہب امام مالکؒ کا ہے۔ مگر دوسرے دو اماموں کے نزدیک یہ واجب تو نہیں مگر سنّتِ مؤکدہ ضرور ہے یعنی وہ ایسی سنّت ہے جس کے متعلق شارعِ اسلامؑ نے اپنے قول اور فعل کے ذریعہ خاص تاکید فرمائی ہے۔ بس اس سے زیادہ مجھے اس مسئلہ میں فقہی لحاظ سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ وحسبك ما قال الله والرسول ۔ ولاجرم انّه هو القول المقبول ؛

مولانا غلام مرشد صاحب کا خطبۂ عید قربان

قربانی پر پابندی عائد کرنیکی تجویز

(از جناب مولانا سید محمد داؤد صاحب غزنوی)

شاہی مسجد لاہور کے خطیب مولانا غلام مرشد صاحب نے عید کے خطبہ میں قربانی کے جانوروں کی قیمت کسی قومی فنڈ میں ادا کرنے کی تجویز پیش کر کے فقہاء کرام کے حوالہ سے یہ اعلان کیا ہے کہ:

"اگر قربانی کے جانوروں کی قیمت کسی قومی فنڈ میں ادا کر دی جائے تو اس رقم کی ادائیگی مذہباً قربانی تصور کی جائے گی۔" (نوائے وقت ۲۰ جون ۵۹ء)

فقہاء کرام کا فیصلہ

فقہاء کرام نے اضحیہ (قربانی) کی تعریف، شرائط اور رکن بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ — قربانی کے جانور کا ذبح کرنا رکن قربانی ہے۔ اسلئے تضحیہ یعنی اہراق دم (خون بہانا) واجب ہے — اور امر وجوب کا تعلق جب کسی معین فعل کے ساتھ ہو تو کوئی دوسری چیز یا دوسرا فعل اس کا قائم مقام نہیں ہوسکتا۔ اسلئے اضحیہ یعنی قربانی ایام نحر میں اہراق دم (خون بہانے) سے ہی ہوسکتی ہے۔ اگر کوئی شخص قربانی کا جانور خرید کر زندہ کسی کو صدقہ کر دے تو بھی قربانی ادا نہیں ہوگی چہ جائیکہ قربانی کے جانور کی قیمت کسی کو صدقہ کر دے۔ فقہاء کرام کا یہ ارشاد قرآن کریم اور احادیث نبویہ پر مبنی ہے۔

قرآن کریم

قرآن کریم میں سورہ انعام کے آخر میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے سیدنا ونبینا رحمۃ للعالمین وخاتم النبیین کو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ آپ اپنی قوم کو اور تمام امت دعوت کو یہ اعلان کر دیں کہ:

مجھے میرے پروردگار نے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے اور وہی راستہ درست، صحیح دین اور ابراہیم حنیف کا طریقہ ہے جو ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھا۔

مشرکین کی عبادت غیر اللہ کے لئے، ان کی نذر ونیاز اور قربانیاں غیر اللہ کے لئے ہوتی ہیں مگر آپ اعلان کر دیں کہ:

انّ صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی
للہ ربّ العالمین لا شریك لہٗ و
بذالك اُمرتُ وانا اوّل المسلمین۔

میری نماز، میری قربانی، میری ساری
زندگی اور میری موت صرف اللہ رب العالمین
کے لئے ہے مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور
میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔"

اس آیت میں "نسك" کے لفظ کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں لیکن راجح قول یہی ہے کہ "نُسُکِی" سے مراد قربانی ہے۔ جیسا کہ سعید بن جبیرؓ، قتادہ اور دوسرے تابعین سے مروی ہے لیکن سب سے واضح قرینہ اس کے لئے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے۔ حضرت جابرؓ سے صحاح میں مروی ہے کہ:

آپؐ نے دو دنبوں کی قربانی دی۔ جب آپؐ نے انہیں قبلہ رُخ لٹایا تو یہ دعا پڑھی :-

اِنّی وجّھتُ وجھیَ لِلّذی فطر
السّمٰوٰت والارض علیٰ ملّۃ
ابراھیم حنیفا وماانا من المشرکین
انّ صلوتی ونسکی ومحیایَ ومماتی
للہ ربّ العالمین لا شریك لہٗ
وبذالك اُمرتُ وانا من المسلمین۔

اِس دُعا میں "نُسُکِی" کا لفظ جبھی برمحل ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد قربانی ہو — اور یہی دُعا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو سکھائی۔ فرمایا اے فاطمہ! اپنی قربانی کے پاس کھڑی ہو اور قربانی ہوتے دیکھ۔ خون کے ہر قطرہ کے بدلہ میں تیرا گناہ معاف ہوگا اور یہ دُعا پڑھ۔

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي
لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ - الى آخرہ

اس سے معلوم ہوا کہ "نسکی" سے مراد قربانی ہی ہے۔ اس تشریح کے مطابق اس آیت میں نماز اور قربانی کو ایک ساتھ اسی طرح ذکر کیا گیا ہے جس طرح سورہ کوثر میں انا اعطینٰک الکوثر فصلّ لربّک وانحر میں نماز اور قربانی کا ایک ساتھ ذکر کرکے یوں حکم دیا گیا کہ اپنے رب کے لئے نماز پڑھ اور قربانی دے۔

احادیث

قرآن کریم کے اس حکم (فصلّ لربّک وانحر) کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک کیا تھا؟ وہ متعدد احادیث میں مذکور ہے:۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے:۔

اقام رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بالمدینۃ عشر سنین یضحی (ترمذی)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں دس سال اقامت فرمائی۔ ہر سال آپ قربانی دیتے تھے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کسی شخص نے سوال کیا۔ کیا قربانی واجب ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا:۔

ضحی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وضحی المسلمون فاعادھا علیہ فقال اتعقل ضحی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم والمسلمون۔

میاں! اتنا جانتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی دی اور صحابہ کرامؓ نے قربانی دی۔ سائل نے پھر وہی سوال دہرایا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس سے فرمایا، تم سمجھتے نہیں میں نے کیا کہا؟ میں نے کہا ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم قربانی دیتے رہے اور مسلمان قربانی دیتے رہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا مقصد یہ تھا کہ میں ان اصطلاحات میں نہیں جاتا۔ سیدھی سادی بات جانتا ہوں ـــــ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قربانی دیتے رہے اور مسلمان بھی آپؐ کی اتباع میں قربانی دیتے رہے۔

(۳) براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من ذبح بعد الصلوٰۃ فقد تم نسکہ واصاب سنۃ المسلمین۔ (صحیحین)

جس نے نماز کے بعد قربانی کا جانور ذبح کیا اس کی قربانی ٹھیک ہوگئی اور مسلمانوں کی سنّت کے مطابق اس کا عمل رہا۔

اس روایت میں مزید الفاظ یوں مروی ہیں ـــــ آپؐ نے فرمایا:۔

انّ اوّل ما نبدء بہ فی یومنا ھٰذا ان نصلی ثم نرجع فننحر فمن فعل ذالک فقد اصاب سنّتنا۔

آج کے دن (یوم الاضحیٰ) میں ہمارا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ہم نماز پڑھیں۔ پھر گھروں کو لوٹ آئیں اور قربانی کا جانور ذبح کریں۔ جس نے اس کے مطابق عمل کیا یقیناً اس کا عمل ہمارے طریقہ کے مطابق رہا۔

(۴) زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے دریافت کیا:۔

یا رسول اللّٰہ ما ھٰذہ الاضاحی قال سنّۃ ابیکم ابراھیم علیہ السلام۔

یا رسول اللہ یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنّت ہے۔

کوئی مسلمان اس حقیقت سے ناآشنا نہیں ہوگا کہ حضرت

ابراہیم خلیل اللہ نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کی جو قربانی اللہ کی راہ میں پیش کی عید الاضحی اس واقعہ عظیمہ کی یادگار ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی اس قربانی پر چار ہزار سال کے قریب گزر گئے۔ کروڑوں انسان چار ہزار سال سے اس واقعہ کی یادگار مناتے چلے آ رہے ہیں اور جب تک مسلمان اس کرۂ ارضی پر آباد ہیں، اس قربانی کی یادگار میں قربانیاں دیتے رہیں گے۔ کسی واعظ کا وعظ، کسی خطیب کی سحر بیانی اور کسی حکومت کا جبرو قہر اس سنّتِ ابراہیمی کی یادگار کو ختم نہیں کر سکتا۔ کوئی پہاڑ سے سر ٹکرانا چاہے ٹکرا سکتا ہے لیکن سوائے سر پھوڑنے کے اس کے حصّہ میں کچھ نہیں آئے گا۔ ابراہیم علیہ السلام کی اس عظیم قربانی کی یادگار میں مسلمان عیدِ قربان مناتے رہیں گے اور ہزاروں جانور، خوبصورت جانور، موٹے تازے، خوب پلے ہوئے جانور ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی یادگار میں ذبح ہوتے رہیں گے۔

فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر۔

(۵) حضرت جابرؓ سے صحاح میں یہ روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خصّی دنبوں کی قربانی دی اور مسند عبد الرزاق میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے :-

کان اذا اراد ان یضحی
اشتری کبشین عظیمین سمینین

جب آپ قربانی کا ارادہ فرماتے تو دو بڑے موٹے دنبے خریدتے۔

روایات میں یہ بھی تصریح ہے کہ

ایک دنبہ اپنی طرف سے اور آلِ محمدؐ کی طرف سے ذبح فرماتے اور دوسرا دنبہ غرباء امت کی طرف سے ذبح فرماتے۔

اس حدیث کے ذیل میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ متعدد جانور قربانی میں دینا پسندیدہ فعل ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

قال الشافعیۃ ان الاضحیۃ
بسبع شیاہ افضل من البعیر
لان الدم المراق فیھا اکثر و
الثواب یزید بحسبہ (فتح الباری
جلد ۲۳ صفحہ ۳۲)

شافعی علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ سات بکریوں کی قربانی ایک اونٹ کی قربانی سے افضل ہے۔ اس لئے کہ سات بکریوں کے ذبح میں اراقۃ الدم (خون بہانا) زیادہ ہے اور اسی مناسبت سے ثواب بھی زیادہ ہوتا ہے۔

(۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک سَو اونٹ کی قربانی دی۔ ۶۳ جانور اپنے دستِ مبارک سے ذبح کئے۔ باقی جانور حضرت علیؓ نے ذبح کئے۔ — یہ مادہ پرست، یہ تجدد پسند، یہ معاشی اقدار سے اسلامی احکام کو ناپنے والے اس خون بہانے کی حکمت کو کیا سمجھیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر وہ شخص جس کے سر پہ دستارِ فضیلت بندھی ہوئی ہو۔ اور منبرِ خطابت کو زینت دے رہا ہو۔ وہ اس قربانی کے فلسفہ کو بھی سمجھ سکے ؎

ہزار نکتہ باریک تر زمو اینجاست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند (باقی پھر)

اعلان

جن بھائیوں کے نام نئے سال کی قیمت اشتراک کیلئے رسالہ وی پی کیا جا رہا ہے ان سے توقع ہے کہ وہ ضرور اسے وصول کرلیں گے۔ نیز ہر خریدار ایک ایک مزید خریدار مہیا فرمائے۔ (مینیجر)

شب برات کی حقیقت!

تائیدِ تعاقب

ذیل میں محترم جناب حکیم مبارک احمد صاحب ایمن آبادی کا ایک پُرجوش اور بصیرت افروز گرامی نامہ شائع کیا جاتا ہے جہاں تک شب برات کو "اسلامی تہوار" قرار دیکر رسوم و بدعات قائم کرنے کا سوال ہے حلوا بنانے اور آتشبازی وغیرہ چھوڑنے کا سوال ہے یہ سب ناجائز ہیں۔ اس بارے میں ہم جناب حکیم صاحب سے پہلے ہی حرف بحرف متفق ہیں۔ جماعت احمدیہ نے کبھی شب برات کو نہیں "منایا" یہ بھی درست ہے۔ قابلِ تحقیق صرف یہ امر ہے کہ جن جیاد احادیث صحاح ستہ میں نصف شعبان کی رات کو قیام اللیل وغیرہ کی خاص ترغیب دی گئی ہے آیا وہ **موضوع** ہیں؟

(ایڈیٹر)

مخدومی معظمی حضرت مولانا صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

الفرقان میں شب برات کے متعلق آپ کا نوٹ اور حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کا "تعاقب" اور پھر اس کا جواب نظر سے گزرا۔ اس ضمن میں گزارش ہے کہ اصل سوال "شب برات" (پندرہ شعبان کی شب) کو عیدین کی طرح تہوار[1] منانے کے متعلق ہے۔

ظاہر ہے کہ اسلام میں عیدین کے سوا اور کوئی تہوار نہیں شب برات ــــ جسے عیدین کی طرح ایک اسلامی تہوار بنا لیا گیا ہے جس میں عبادت بھی شامل ہے اور خوشی کے لوازمات بھی عیدین سے کم نہیں۔ اس کی اسلامی اور شرعی کوئی حیثیت نہیں۔ مَیں نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پُرانے صحابی حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں خط لکھ کر دریافت کیا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں "شبِ برات" اور شبِ معراج کی شرعی اور دینی حیثیت کیا ہوتی تھی؟ انہوں نے تحریر فرمایا "شبِ برات" اور شبِ معراج حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں آتی تھیں اور گزر جاتی تھیں اور **کسی کو خبر بھی نہ ہوتی تھی۔**"

(یہ اصل مکتوب میرے پاس محفوظ ہے)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدیمی صحابی حضرت سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری مدظلہ العالی نے بھی میرے استفسار پر اس ارشاد کی تائید فرمائی۔ دیگر بہت سے صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بھی مختلف مواقع پر مَیں نے اس ضمن میں استفسار کیا۔ کسی صحابی سے اس کے متعلق کوئی واضح مثبت روایت معلوم نہیں ہوئی۔

آپ نے غالباً خلافتِ اولیٰ کا زمانہ بھی دیکھا ہوگا۔[2]

[1] اسلام نے عیدین کو بھی عام معروف معنوں میں "تہوار" قرار نہیں دیا۔ شب برات کے حلوے اور رسم آتشبازی کے بدعت اور ناجائز ہونے کا ہمارے مضمون میں صریح اعلان ہے۔ (الفرقان)

[2] جی نہیں۔ مجھے یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی تھی۔ میں ۱۹۱۴ء میں دس گیارہ برس کی عمر میں پہلی دفعہ قادیان آیا تھا۔ مَیں نے خلافتِ ثانیہ کا عہد ہی پایا ہے۔ میری شہادت بھی یہی ہے کہ جماعت احمدیہ نے [illegible]

۱۹۲۳ء سے خلافتِ ثانیہ کا زمانہ مَیں بھی دیکھ رہا ہوں۔ ایک لمبا عرصہ مرکز سلسلہ میں قیام کا موقع بھی پایا۔ لیکن مرکزِ سلسلہ میں سیدنا حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ اور اکابرِ سلسلہ نے شبِ برات کی اہمیت وفضیلت اور برکت قولاً یا عملاً کبھی واضح نہیں فرمائی۔ بلکہ اکثر حضرت مفتی صاحبؓ کے ارشاد کے مطابق مَیں نے تو یہی دیکھا کہ شبِ برات آتی اور گزر جاتی اور کسی کو خبر بھی نہ ہوتی تھی۔ اِس امر کے آپ خود بھی عینی شاہد ہیں اور دیگر صحابہؓ اور اکابرِ سلسلہ سے دریافت بھی فرما سکتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام یا حضورؑ کے خلفاء کے زمانہ میں شبِ برات کی برکت کو کوئی اہمیت دی گئی ہے یا نہیں۔ یقیناً کوئی ضعیف سے ضعیف اور کمزور سے کمزور روایت بھی آپ کو نہیں ملیگی کہ حکم وعدل مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں عملاً یا قولاً شبِ برات کی برکت تسلیم کی گئی ہو۔

جن چار کمزور اور ضعیف اور وضعی[1] احادیث کی بنیاد پر شبِ برات کی برکت کا استدلال فرمایا گیا ہے اُن کی کمزوری تو آپ کے نزدیک بھی مسلّم ہے۔ اور یہ روایات حکم وعدل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم میں بھی ضرور ہوں گی لیکن عملاً انہوں نے انہیں قابلِ اعتناء خیال نہیں فرمایا۔ یہ روایات احادیث کی معروف کتاب مشکوٰۃ المصابیح میں بھی مندرج ہیں اور حدیث کا ہر مبتدی طالب علم بھی ان سے واقف ہے۔ نا ممکن ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نظر سے نہ گزری ہوں۔ حیرت ہے کہ ایک دینی

[1] صرف یہی سوال حل طلب ہے۔ اگر صحاح ستہ کی وہ چار احادیث وضعی ثابت ہو جائیں تو بات ختم ہے۔ ضعیف تو انہیں پہلے ہی تسلیم کیا جا چکا ہے۔ جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان احادیث کی وضعیت کو ثابت کریں گے۔ ہمیں اس مقالہ کا انتظار ہے۔ (الفرقان)

اور شرعی برکت کا حضور کو علم ہو اور پھر مدّت العمر اس برکت کے حصول کے متعلق کوئی ضعیف سے ضعیف روایت اتنے قریب زمانہ میں بھی نہ ملے۔ اِسی سے اِس برکت کی حقیقت ظاہر ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد اعتصام بالحدیث کے متعلق **یہ امر یاد رکھنے کے لائق** ہے کہ حضور علیہ السلام کے ارشاد کا تعلق ضعیف حدیث سے ہے نہ کہ **موضوع** حدیث سے۔

موضوع حدیث کے معنے ہیں **بناوٹی حدیث**۔

حدیث پر نظر رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ بہت سی حدیثیں ایسی بنائی گئی ہیں جو قرآن مجید اور ثابت شدہ احادیث کے **خلاف نہیں**۔ اور ایسی حدیثیں آسانی سے بنائی جا سکتی ہیں جو معارضِ قرآن وسنّت نہ ہوں[2]۔ تو کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد سے یہ مراد ہے کہ محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے وہ قابلِ عمل ہیں۔ حضور کے ارشاد کا یہ مفہوم ہرگز نہیں۔

جس ارشاد کا آپ نے حوالہ دیا ہے اس کا رُخ تو چکڑالویوں (منکرینِ حدیث) کی طرف ہے کہ **محض سند** میں کسی خامی کی وجہ سے ضعیف حدیث کو ردّ کرنا خلافِ ادب ہوگا۔ چہ جائیکہ مستند اور ثابت شدہ احادیث کا انکار کیا جائے۔ اور ضعیف کی تعریف میں بھی وسعت ہے۔ مثلاً ایک شخص صادق اور راستباز ہے مگر ضبطِ الفاظ میں اس کا حافظہ قدرے کمزور ہے۔ اعلیٰ پایہ کے محدثین ایسے راوی کی روایت کو بھی ضعیف گردانتے ہیں۔

حضرت امام بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے

[2] ایسی حدیثیں بنانا بھی آسان کام نہیں۔ اگر یہ اتنا ہی آسان ہوتا تو حدیث کی صحت کے لئے "معارضِ قرآن وسنّت نہ ہونا" معیار کیونکر درست قرار پاتا؟ (الفرقان)

شب برات کی حدیثوں کو نظر انداز فرمایا ہے۔ اور حضرت امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت سے لکھا ہے۔ کہ شب برات کے متعلق حدیثیں گھڑی گئی ہیں جس کا پس منظر مخدومی و محترمی حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کے فاضلانہ اور محققانہ مضمون میں بصراحت مذکور ہے۔

آں محترم نے حضرت شاہ صاحب کے تعاقب پر جو تبصرہ تحریر فرمایا ہے اس میں کچھ خلطِ مبحث سا ہو گیا ہے۔ مناسب ہوتا کہ آپ یہ ثابت فرماتے کہ شب برات کے متعلق احادیث موضوع نہیں ہیں[1] کیونکہ اصل مبحث یہی ہے۔ اس جگہ اس امر سے کوئی بحث نہیں تھی کہ ضعیف حدیث کہاں تک قابلِ عمل ہے۔

(۲)

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی جس حدیث کا حضرت شاہ صاحب موصوف نے اپنے مضمون میں ذکر فرمایا ہے آپ نے اپنے تبصرہ میں اسے اپنی تائید میں پیش فرمایا ہے[2]۔ تبصرہ کا یہ حصہ بھی غلط فہمی پیدا کرنے والا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث کے آخر میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شعبان میں جو روزے رکھتے تھے وہ حضورؐ کی اس سنت کے مطابق تھے کہ آپؐ جب کوئی عمل شروع فرماتے تو اس پر مداومت فرماتے جیسے عصر کی نماز کے بعد کی نماز جو دراصل ایک نماز کی قضا تھی۔ ایک دفعہ وہ ادا کی گئی اور پھر ہمیشہ وہ ادا فرماتے رہے۔

احبّ العمل ادْوَمُهٗ۔ رمضان میں چھوٹے ہوئے روزے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ شعبان میں رکھے اور پھر بعد میں آپؐ نے انہیں ترک نہیں کیا۔ صرف اسی وجہ سے شعبان میں حضور کے روزوں کی کثرت ہوتی تھی۔ نہ اس سبب سے کہ بالذات ماہِ شعبان کو کوئی شرعی فضیلت یا خصوصیت حاصل تھی۔

علامہ ابن حجر اور عینی وغیرہ شارحینِ صحیح بخاری نے بھی لکھا ہے کہ شعبان میں جو مسلسل روزے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھے وہ رمضان کے روزے تھے جو سفر کی وجہ سے قضا ہو گئے تھے۔

(۳)

اصحاب السُّنن کی جن روایتوں کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ان میں ایک ترمذی کا حوالہ ہے۔ یہ روایت نقل کرنے کے بعد امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے سُنا کہ یہ حدیث کمزور ہے اور محققین نے اس کمزوری کو واضح کیا ہے کہ وہ موضوعات میں سے ہے۔

(۴)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ نصف شعبان کی رات کو جو لوگ حلوے وغیرہ کی رسوم کرتے ہیں وہ سب بدعات ہیں۔ حضور کے اس ارشاد پر غور فرمائیے۔ حضورؑ فرماتے ہیں۔ نصف شعبان کی سب رسوم بدعت ہیں۔

اس سے یہ مفہوم ہرگز مستنبط نہیں ہو سکتا کہ نصف شعبان کی رات کو کوئی الگ فضیلت اور برکت بھی حاصل ہے۔ ایک بات کی نفی سے دوسری یا اس سے بہتر کا اثبات لازم نہیں آتا۔ تا وقتیکہ الگ ثابت نہ کیا جائے۔

(۵)

آخر میں پھر عرض کروں گا کہ یحی الدین ویقیم الشریعۃ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا منصب ہے۔

[1] صحاح ستہ کی احادیث کو موضوع قرار دینے والے کے ذمہ بارِ ثبوت ہو گا۔ مجھے ابھی تک ان احادیث کا موضوع ہونا معلوم نہیں ہو سکا۔ ثابت ہونے پر ماننے سے کوئی انکار نہ ہو گا۔ (ابو العطاء)

[2] صرف الفاظِ حدیث پیش کر کے ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ (الفرقان)

جب حضورؐ نے اسے کوئی اہمیت قولاً فعلاً یا عملاً نہیں دی تو ہم اس کی برکت کے کیونکر قائل ہو سکتے ہیں۔ اتنی عظیم الشان گھڑیاں جن کے متعلق آپ نے الفرقان میں یہ ارشاد[ا] نقل فرمایا ہے کہ:-

انّها ليلة مباركة فيها يفرق كلّ
امر حكيم و يدبّر كلّ خطب عظيم
ممّا يقع في السنة كلّها من
الاحياء و الاماتة و غيرهما
حتّٰی یکتب الحجاج و غیرهم۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نظر سے کیسے اوجھل رہ سکتی تھیں۔ حضورؑ تو بعض نسبتاً معمولی امور کے متعلق چھوٹے معصوم بچوں کو بھی دعاؤں میں شامل فرما لیا کرتے تھے۔ سال بھر کے امور مہتمہ اور زندگی اور موت کے فیصلوں والی مبارک رات کی اہم ترین دعاؤں میں بڑے تو بڑے کسی بچے کو بھی اپنے ساتھ شامل نہ فرمایا اور کبھی گھر والوں سے بھی یہ ذکر نہ فرمایا کہ حلوے وغیرہ کی رسوم تو بدعات ہیں لیکن قیام اللیل کی بابرکت ترغیب ہر کہ و مہ کو دینی چاہیئے۔

حضورؑ کی مہمات دینیہ بھی تو "کل امر حکیم" اور "کل خطب عظیم" کے ذیل میں آتی ہیں۔ اگر اس ارشاد کی کچھ حقیقت یا وقعت ہوتی تو حضورؑ اس نہایت عظیم القدر اور حد سے زیادہ ثواب کی حامل رات کی برکات سے مستفیض ہونے کی اپنے عزیزوں اور دوستوں کو زندگی میں ایک بار بھی تلقین نہ فرماتے؟

جس رات کی عبادت بیس مقبول حج اور بیس سال کے روزوں کے ثواب کی عظمت کی حامل ہو[ب] کیا وہ اس طرح نظر انداز ہو سکتی تھی کہ حضورؑ کے بے شمار خطوط اور ملفوظات اور تحریروں وغیرہ میں ایک لفظ بھی اس کی عظمت و اہمیت اور برکت پر دال نہ ملے، روایات کے انبار میں سے کوئی ضعیف سے ضعیف روایت بھی نہ مل سکے۔ اگر کوئی ضعیف یا موضوع روایات پر عمل کرنا چاہے تو یہ امر دیگر ہے لیکن سنت نبوی، سنت خلفاء راشدین، صلحائے اُمت کی روش اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضورؑ کے صحابہ اور خلفاء کے طرز عمل، ان کے اُسوہ، ان کے عملی نمونہ کو ایک طرف رکھ کر چند روایات ضعیفہ یا موضوعہ صرف حدیث کی بعض کتب میں اندراج پا جانے کی وجہ سے کسی امر کی شرعی یا دینی حیثیت قائم نہیں ہو سکتی۔

پس سوال یہ نہیں کہ قیام اللیل باعث برکت ہے یا نہیں سوال یہ بھی نہیں کہ نصف شعبان کی رات عبادت میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟ سوال شب برات کی شرعی اور دینی حیثیت کا ہے جو قولاً اور عملاً اسلام کے نشاۃ ثانیہ کے زمانہ میں بھی ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔

فی الجملہ یہ کہ شب برات کی حقیقت اسلام میں ثابت نہیں۔ اس رات کو نہ کوئی اہمیت حاصل ہے نہ فضیلت یا عظمت و برکت۔ اس کے فضائل اور برکات کی روایات موضوع اور بناوٹی ہیں۔ شرعاً ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

سلسلہ احمدیہ (جو احیائے دین و شریعت کی زندہ تحریک ہے) میں بھی اس رات کی فضیلت یا اس موقع پر قیام اللیل کی نہ کبھی خصوصی تحریک ہوئی ہے اور نہ کوئی شرعی یا دینی حیثیت یا برکت عملاً یا قولاً بیان کی گئی ہے۔

خاکسار
مبارک احمد خان
ایمن آباد ضلع گوجرانوالہ

[ا] یہ حدیث کے الفاظ نہیں بلکہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کے مصنف حضرت امام ملا علی قاری کے ہیں۔ (الفرقان)

[ب] پیش کردہ احادیث میں یہ ذکر نہیں ہے۔ (الفرقان)

البیان

قرآن مجید کا سلیس اردو ترجمہ مختصر اور مفید تفسیری حواشی کے ساتھ

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ

تم پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں جب تم (شرعی وجوہ پیدا ہونے پر) اپنی منکوحہ بیویوں کو ایسے وقت میں طلاق دیدو جبکہ ابھی تم نے

أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ

ان کو چھوا نہیں تھا اور ان کے لئے مہر کی تعیین بھی نہ کی تھی ۔ ایسی صورت میں تم ان کو کچھ فائدہ (کی اشیاء) ضرور دو۔ صاحب وسعت پر

قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ

اس کی طاقت کے مطابق اور تنگدست پر اس کی حالت کے موافق، دستور اور قاعدہ کی پابندی کرتے ہوئے نیکوکار لوگوں پر یہ

حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ○ وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ

فائدہ پہنچانا بطور حق مقرر ہے ۔ اگر تم اپنی ایسی منکوحہ بیویوں کو ان کے چھونے (رخصتانہ اور خلوت صحیحہ)

خلاصہ مضمون ۔ اس رکوع میں مطلقہ عورتوں کے مہر وغیرہ کے احکام بیان ہوئے ہیں ۔ نیز ان عورتوں کے بارے میں احکام دیئے گئے ہیں جن کے خاوند فوت ہوچکے ہوں ۔ اسلام میں طلاق کو **ناپسندیدہ حلال** ٹھہرایا گیا ہے ۔ خاوند اگر زفاف (بیوی کے رخصتانہ) کے بعد طلاق دے تو وہ پورے مہر کی ادائیگی کا ذمہ دار ہے ۔ اگر مہر کی تعداد رقم میں معین ہے مثلاً ہزار دو ہزار وغیرہ تو وہ ادا کیا جائے گا ۔ لیکن اگر معین قسم کی صورت میں مہر مقرر نہیں کیا گیا تو اس عورت کو **مہر مثل** ملے گا ۔ مہر مثل سے مراد یہ ہے کہ اس خاتون کے گھرانے میں اس کی بہنوں وغیرہ کا جو مہر عام طور پر مقرر ہوتا ہے وہی اُسے بھی دلایا جائے گا ۔

اگر خاوند بیوی کے رخصتانہ اور خلوت صحیحہ سے **قبل** ہی طلاق دیدے تو اگر مہر معین رقم کی صورت میں مقرر ہو چکا ہے تو اس کا **آدھا** ادا کرنا فرض ہوگا ۔ اور اگر مہر کی تعیین نہ ہوئی ہو تو رخصتانہ سے پہلے طلاق پر کوئی مہر واجب نہ ہوگا ۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ خاوند بیوی کو اپنی مالی وسعت کے مطابق کچھ فائدہ پہنچائے ۔

أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا

سے پہلے طلاق دیتے ہو جن کے لئے تم ان کے مہر کی تعیین کر چکے ہو تو تم پر تمہارے مقرر کردہ مہر کا نصف انہیں ادا

فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ

کرنا ہوگا ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ وہ عورتیں معاف کر دیں (نصف بھی نہ لیں) یا وہ شخص جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے (یعنی

النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنْسَوُا

خاوند) معاف کر دے۔ (گویا نصف مہر بھی بچا نا نہ چاہے بلکہ پورا ہی ادا کر دے) اے خاوندو! تمہارا درگذر کرنا (یعنی پورا مہر ادا کر دینا) تقویٰ

الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ○ حَافِظُوا

کے زیادہ قریب ہے۔ باہمی معاملات میں فضیلت یا احسان کو نظر انداز نہ کیا کرو یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ تم سب نمازوں کی

اس جگہ **ایک مسئلہ** تو یہ ذکر ہوا ہے کہ نکاح مہر کی معین رقم کے مقرر کرنے کے بغیر بھی منعقد ہو جاتا ہے۔ مہر کو اسلام نے بیوی کی علیحدہ مستقل ملکیت کے اثبات کے لئے مقرر فرمایا ہے اور اس میں اس کی **عزتِ نفس** اور **حیثیت** کو قائم کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نفسِ مہر کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اگر بالتعیین رقم مقرر نہ کی جائے تو رخصتانہ کے بعد طلاق ہونے پر عورت کی بہنوں وغیرہ کے مہر کو معیار قرار دے کر پوری ادائیگی لازم ہوگی۔ اور رخصتانہ سے پیشتر طلاق ہو جانے کی صورت میں مرد کی **مالی حیثیت** کے موافق اس پر **ذمہ واری** ڈالی گئی ہے۔

ان آیات سے **دوسرا مسئلہ** یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر خدانخواستہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ خاوند کے نزدیک اس رشتہ میں بالکل نباہ نہیں ہو سکے گا تو وہ رخصتانہ سے پیشتر بھی طلاق دے سکتا ہے۔ قیاساً یہی حق خلع کے لحاظ سے عورت کو بھی حاصل ہوگا۔

ان آیات میں **تیسرا مسئلہ** یہ مذکور ہے کہ معین مہر والی منکوحہ کو اگر رخصتانہ سے قبل ہی طلاق دے دی جائے تو نصف مہر کی وہ حقدار ہے۔ ہاں اگر وہ عورت نصف بھی نہ لینا چاہے تو اسے اختیار ہے۔ ایسا ہی اگر خاوند نصف کی بجائے **پورا مہر** ادا کر دے تو یہ بھی جائز ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی **پسندیدہ** ہے اور اسی کی ترغیب آیات میں موجود ہے۔

الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ سے مراد خاوند ہی ہے۔ کیونکہ درحقیقت نکاح کی گرہ براہِ راست اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اور وہ ہر طرح سے زیادہ ذمہ واری

عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ○

ادائیگی کا تمام خیال رکھو بالخصوص (کاروبار کے) درمیان آنے والی نماز کی ادائیگی کا (ہر نماز کے وقت) اللہ تعالیٰ کے سامنے اطاعت فرمانبرداری

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا

بجالاتے ہوئے کھڑے ہو جایا کرو۔ اور اگر اس وقت تم کو (دشمن کی طرف سے) شدید خوف ہو تو پیدل چلتے ہوئے یا سوار ہونے کی حالت میں ہی نماز ادا کر لیا کرو

اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ

پھر جب تم کو امن حاصل ہو جائے تو اسی طرح (پورے ارکان اور لوازم کے ساتھ) اللہ کو یاد کرو (نماز پڑھا کرو) جیسا کہ اس نے تمہیں تعلیم دی اور وہ سب

يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ

امور سکھائے جو تم نہ جانتے تھے۔ جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں (انکی روحیں قبض کر لی جائیں) اور وہ اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو ان بیویوں

کے نیچے ہوتا ہے۔ بعض علماء اور مفسرین نے اس سے مراد عورت کے ولی اور وکیل کو قرار دیا ہے۔ مگر اس صورت میں آیت کا یہ حصہ بظاہر پہلے حصہ (اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ) کے مقابل پر درست قرار نہیں پاتا۔ واللہ اعلم۔

نمازوں کی پابندی کے حکم کو طلاق و نکاح کے مسائل کے درمیان لاکر اسلوب بیان کے ذریعہ سے وضاحت کر دی کہ نماز کا وقت خواہ کتنی مصروفیات کے دوران آجائے تمہیں نماز بہرحال وقت پر ادا کرنی چاہیئے۔ اور دنیوی دھندوں یا تمدنی الجھنوں کو نماز کے ترک اور التوا کا موجب نہ بننے دینا چاہیئے۔

الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى پانچ نمازوں میں سے ہر ایک کو قرار دیا گیا ہے۔ زیادہ روایات نماز عصر کے بارے میں آئی ہیں۔ اوپر کی تشریح سے ظاہر ہے۔ کہ جو نماز بھی مصروفیت کے درمیان آجائے وہ الصلوٰۃ الوُسطیٰ ہے اور اس کی خاص نگہداشت کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ صلوٰۃ الخوف کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اگر زیادہ خطرہ ہو تو سواری پر یا چلتے ہوئے بھی نماز ادا کی جا سکتی ہے۔ یہ ذکر بھی "الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى" کی وضاحت کر دیتا ہے۔

ایک مسئلہ ان آیات میں متوفی عنہا زوجہا کے متعلق فرمایا۔ حکم خداوندی یہ ہے کہ ان عورتوں کو جن کے خاوند فوت ہو جائیں ایک سال تک ان کے مکان سے نہیں نکالا جا سکتا۔ فوت ہونے والا خاوند یہ وصیت کر جائے تو یہ عین مناسب ہے ورنہ اسلامی حکومت خدائی وصیت کو نافذ کرنے کی ذمہ دار ہے۔ ہاں عورت اپنی شرعی ضرورتوں اور دستور کے مطابق حالات کے ماتحت اگر سال سے پہلے اس مکان سے جانا چاہے تو جا سکتی ہے۔

مَتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ

کہ ان کو مکان سے نکالے بغیر سال بھر تک پورا فائدہ اٹھانے کا موقعہ دیا جائے۔ ہاں اگر وہ شریعت اور دستور کے مطابق اپنے بارے میں

عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ

کوئی عملی اقدام کریں (یعنی مثلاً دوسری شادی کرلیں) اور اس طرح متوفی خاوند کے مکان سے چلی جائیں تو تم پر کوئی ذمہ داری

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا

نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ بہت غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔ مطلقہ عورتوں کو شریعت اور دستور کے مطابق فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔ اور تقویٰ شعار

عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ

مومنوں کے ذمہ یہ حق واجب ہے۔ اس طرح (روحانی معاشرہ اور بلند اخلاق قائم کرنے کے لئے) اللہ تعالیٰ تمہارے لئے

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ع ۳ ۱۵

اپنے احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم عقل اور شعور سے کام لو۔

اس رکوع کی آخری آیت میں مطلقہ عورتوں کے واجب الادا حق مہر کے علاوہ ان سے حسنِ سلوک کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ گویا منشاءِ خداوندی یہ ہے کہ اگرچہ حالات کی ناموافقت کے باعث میاں بیوی کا نباہ نہیں ہوسکا اور خاوند طلاق دینے پر مجبور ہوا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب اس حادثہ کو دائمی طور پر اسلامی گروہ اور مسلمان خاندانوں یا افراد میں بغض اور دشمنی کی بنیاد بنا لیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے والے مردوں کو مطلقات سے آخری حسن سلوک کی تلقین فرما کر اسلامی معاشرہ کی بنیادوں کو اسلامی اخلاق پر استوار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اے کاش کہ مسلمان ان ہدایات کی پابندی کریں ٭

انسانی قلوب کی ہدایت آسمانی ہاتھ کے بغیر ممکن نہیں

مسیحائے زماں اور علماء کے عذرات

[ہم ذیل میں معاصر "المنبر" لائل پور کا ایک جوابی مضمون درج کرتے ہیں جو اس نے رسالہ الفرقان" کے ماہ مئی کے ادارتی نوٹ کے جواب میں شائع کیا ہے۔ فاضل مدیر "المنبر" نے اپنے رسالہ میں "ربوہ کی سیر" کے زیر عنوان یہ مضمون درج کیا ہے ہم اس مضمون کے بعد اپنے اصولی معروضات پیش کر رہے ہیں مضمون کی اہمیت اور غیر معمولی سنجیدگی کے پیش نظر توقع ہے کہ ان معروضات کو پوری توجہ سے ملاحظہ فرمایا جائے گا اور اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی۔ تو ان حقائق کو قبول کرنے میں کسی قسم کا پس و پیش نہ کیا جائے گا۔ ایڈیٹر]

"اس نئے دور میں اس سیر کا آغاز ہم اپنے فاضل دوست مولانا ابوالعطاء اللہ دتا جالندھری مدیر "الفرقان" کے تازہ ترین ادارتی نوٹ سے کرتے ہیں ——— موصوف نے "الفرقان" ماہ مئی میں فرمایا ہے۔

(۲) جناب حکیم عبدالرحیم صاحب اشرف مدیر "المنبر" لائل پور لکھتے ہیں:-

(الف) آپ ذرا ایک نظر اس دین حق پر بھی ڈال لیں جس کے طفیل ہمیں یہ مسرت افروز دن میسر آیا ہے۔

اسلام ——— قاہرہ سے لاہور اور جاکرتا سے کابل تک۔ تمام اسلامی دنیا میں متروک۔ و مہجور نظریہ کی حیثیت اختیار کر چکا ہے"

(ب) "وہی اسلامی روح تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ تعلق جو اسلام کا حقیقی مدعا و مقصود ہے۔ تو واقعہ یہ ہے کہ یہ دور اس نقطۂ نظر سے انتہائی مایوس کن ہے"

(ج) حکومت سے آگے بڑھ کر "اسلامی دنیا" کے تعلیم یافتہ طبقات اور عوام کا جائزہ لیا جائے تو یہ المیہ سامنے آتا ہے۔ کہ تعلیم یافتہ طبقات کی اسی فی صد اکثریت کو نہ اسلام کے اصول و مبادیات کا علم ہے۔ اور نہ ہی اس کو اسلام کے کامل دین اور صحیح طریق زندگی ہونے پر اعتماد ہے"۔

(د) الغرض کہاں تک شمار کیا جائے۔ آج اس امت کی عمومی حالت یہ ہے۔ کہ عاد، ثمود، قوم نوحؑ، قوم لوطؑ، قوم سبا، اور دوسری مغضوب و ملعون اقوام کا وجود جن اخلاقی اور اعتقادی جرائم کی بناء پر صفحۂ ہستی سے عذاب عام کے ذریعہ ختم کیا گیا۔ آج یہ تمام جرائم ہمارے ملکوں شہروں اور آبادیوں میں ہمہ گیر مرض ——— بلکہ وبائے عام کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ اور ہم ہر لمحہ اس خطرے کے منہ میں ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے رب نے اس امت کو ہلاکت عام سے محفوظ رکھنے کا جو مشروط وعدہ کر رکھا ہے۔ اس کی میعاد ختم ہو جائے۔ اور یہ امت بھی پہلوں کی طرح زلزلوں، شکلوں کے مسخ کئے جانے اور دوسرے آسمانی عذابوں کا شکار بننا شروع ہو جائے"۔

(المنبر لائل پور ۲۳ اپریل ۱۹۵۹ء)

یہاں تک تو "المنبر" کے عید نمبر کے افتتاحیہ کا ایک اقتباس تھا اس پر مدیر الفرقان لکھتے ہیں:-

" ان دردناک اور رنج افزا حالات کو پڑھ

کہ کونسا سچا مسلمان ہے جس کی آنکھیں —— نہیں —— بلکہ اس کا دل خون کے آنسو نہ روئیگا اور اسے اس سطح زمین پر زندگی دوبھر معلوم نہ ہوگی۔ یقیناً یہ حالات سخت اندوہناک ہیں ان کا لکھنا اور نقل کرنا بھی طبیعت پر گراں ہے۔ مگر حقیقت کی طرف توجہ دلانے اور آنے والی خطرناک مصیبت سے بچنے کے لئے تلقین کرنے کی خاطر انکا درج کرنا ضروری ہے۔

دین سے بے رغبتی اور اسلام سے انحراف مسلمانوں کے خطرناک مستقبل کے لئے کھلی تنبیہ ہے۔ اور پھر بڑی آفت یہ ہے کہ ابھی تک وہ صحیح راستہ کی طرف خود بھی نہیں کرتے اور اس طرف ان کا رخ بھی نہیں۔ ہنوز ان کی عادی تگ و دو مغرب کی تقلید کے لئے وقف ہے، وہ روز بروز اس دلدل میں زیادہ سے زیادہ گہرے جا رہے ہیں۔ ہر سوچنے والا دل گواہی دیگا۔ کہ ان مسلمانوں کو اس الحادی دلدل سے نکالنے کے لئے زبردست آسمانی ہاتھ کی ضرورت ہے۔ خدائی تدبیر کے کرشمہ ہائے قدرت کے بغیر اصلاح سراسر ناممکن ہے۔ انسانی تدبیروں کا خاتمہ ہے۔ مقام افسوس ہے کہ اس زمانہ میں اللہ تعالےٰ نے جس پاک وجود کو مسلمانوں میں سے مسیحا بنا کر بھیجا ہے۔ ابھی تک قوم کے رہنما اور علماء اس کے شنوا نہیں ہوتے۔ رہ رہ کر دل میں درد سا اٹھتا ہے۔ کہ کاش ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت جلد سے جلد پھر جادۂ مستقیم پر گامزن ہو جائے۔ اور مسلمان اپنی اصلاح کر کے پہلے سے بھی بڑھ کر خدائی فضلوں کے وارث بن جائیں اور ہر قسم کے عذاب اور بلاؤں سے محفوظ ہو جائیں"

سیارہ نگار (اس اصطلاح پر ہم اہل ادب سے معذرت خواہ ہیں) دل سے قدر کرتا ہے۔ اس جذبہ کی جو مدیر الفرقان نے امت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودہ حالت پر ظاہر فرمایا ہے —— اور بلا تردد ہم تائید کرتا ہے۔ اس قول کی کہ:

"مسلمانوں کو اس الحادی دلدل سے نکالنے کے لئے زبردست آسمانی ہاتھ کی ضرورت ہے۔ خدائی تدبیر کے کرشمہ ہائے قدرت کے بغیر اصلاح سراسر ناممکن ہے"

بے شک انسانی اذہان وقلوب کی ہدایت آسمانی ہاتھ کے بغیر ممکن نہیں —— لیکن مولانا ابوالعطاء صاحب کا یہ ارشاد کہ

"مقام افسوس ہے۔ کہ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے جس پاک وجود کو مسلمانوں میں سے مسیحا بنا کر بھیجا ہے۔ ابھی تک قوم کے علماء اور رہنما اس کے شنوا نہیں ہوتے"

ہمیں افسوس ہے کہ ہم محترم مدیر الفرقان کے اس افسوس میں شریک نہیں ہو سکتے —— بلکہ ہمیں دلی صدمہ ہے کہ مولانا نے جن حضرات کو "اس زمانہ میں" پاک وجود مسیحا" تسلیم کیا ہے۔ وہ نہ صرف یہ کہ شان مسیحائی سے محروم تھے بلکہ وہ خود ایسے مریض تھے جن کا مرض متعدی تھا۔ اور جن کی وجہ سے کئی لاکھ انسان ایسے مریض ہوئے کہ ان کی شفایابی ممکن دکھائی نہیں دیتی۔

ذرا جانبداری کو خیر باد کہہ کر غور فرمایئے کہ اس مدیر الحاد کی اساس و بنیاد کیا ہے؟

دوسرے اہم تر پہلوؤں سے قطع نظر بغور دیکھئے کہ

● مرزا غلام احمد صاحب نے جو مہدویت و مسیحیت اور اس کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا۔ اس امت کا کیا حال تھا؟ اور اب یہ کس مقام پر ہے۔ آپ اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ کہ مسلمان بحیثیت مجموعی زوال کی طرف کچھ قدم آگے اور بڑھے ہیں —— تو سوچئے یہ کیا ہوا کہ مریض کراہ رہا ہے۔ "مسیحا" آئے اور رخت سفر باندھ چل دیئے لیکن مریض پہلے سے بھی زیادہ مریض ہو گیا —— ممکن ہے آپ یہ فرمائیں کہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والتسلیمات کا یہ زوال نتیجہ ہے اس جرم کا کہ انہوں نے "مسیحا" (مرزا غلام احمد) کو قبول نہیں کیا —— تو محترم اولاً غور فرمائیے۔ کہ اگر مرزا صاحب کے ہاتھوں ہی اس کی فلاح موعود تھی۔ تو اس امت کو یہ توفیق بھی خدا ہی کی طرف سے ودیعت ہوتا تھی۔ کہ وہ اس مسیحا سے اپنے دکھوں کا علاج کرائے —— اگر اسے یہ توفیق نہیں ملی اور اس "مرزا صاحب کے انکار" کی وجہ سے یہ امت مزید زوال پذیر ہو گئی۔ تو وہ وعدہ کیا ہوا کہ "مسیح" اس امت کے زوال کا علاج کرے گا۔

اور پھر یہ بھی دیکھئے۔ کہ جن لوگوں نے اس مسیحا کے دست شفا سے جام نوش کیا۔ اس کا حال کیا ہے؟ وہ کونسا اختلاف و فساد ہے جو خود آپ کے ہاں موجود نہیں۔ وہ کونسی خلفشار ہے جو کہ مسلمانوں میں پائی جاتی ہو۔ اور چالیس پچاس سال میں قادیانی حضرات نے اسے پوری طرح قبول نہ کیا ہو —— کیا یہ کہ حضرت خلیفۃ المسیح اور خلیفۃ المسیح ثانی ہی میں (ایک کے فوت ہونے کے بعد دوسرے ہی کی زبان سے) "چپقلش" شروع ہے یہ سماں ہم کہاں دیکھ رہے ہیں۔ کہ "فضل عمر" پر ایسے ایسے الزامات خود قادیانیوں نے لگائے ہیں۔ کہ ان کے سننے سے ہی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں —— اور اب تو حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ "مسیح موعود" پر ایمان لانے والے حضرات ہی آپ کے تمام مطالبات "موکد عذاب" حلف کے پورے کر چکے اور ان کے سنگین ترین اخلاقی الزامات اور موکد بعذاب حلف کو کتنی سال گذر گئے۔ ابھی تک کوئی عذاب نازل نہیں ہوا جو آپ کے اصول کے مطابق دلیل ہے۔ اس بات کی کہ الزام اٹھانے والے سچے تھے۔ (ملاحظہ ہو اس دور کا مذہبی آمر)

اور آپ تو ایک ذی علم شخص ہیں اور واقف اسرار و رموز بھی خدا کو حاضر ناظر جان کر فرمایئے کہ اس مسیحا کی "خلافت ثانیہ" میں مردود و مقبول ہونے کا معیار کیا رہا ہے؟ مالیات کے سلسلے میں انہوں نے جو کچھ کیا ہے۔ اس کی صداقت میں آپ کو کیا شبہ ہے؟

● ہاں تو یہ پہلو بھی آپ ایسے ذی علم حضرات سے اوجھل نہیں ہو سکتا کہ جو انحطاط و زوال پوری امت محمدیہ کو زبوں حال بنائے ہوئے ہے۔ اس مسیحا کی امت اس زوال و انحطاط سے محفوظ نہیں۔ غور فرمایئے (اختلافات و شکایات سے قطع نظر) میر قاسم علی، عبداللہ سنوری، غلام رسول راجیکی، محمد احسن امروہی، منشی قاسم علی —— اور ابو العطاء جلال الدین شمس، سلیم ان حضرات کے جانشین جو حضرات ہیں شخصیتوں، اخلاق، علم اور دوسرے انسانی اوصاف کے اعتبار سے ان کا مقام کیا ہے؟

بہر نوع سوچنے کی بات یہ ہے۔ کہ جن مسیح کو آپ ثانی ہاتھ سے تعبیر کرتے ہیں وہ خود خیالات و افکار کے اعتبار سے کس مقام پر تھے۔ ان کے جانشین حضرات کا کیا حال رہا ہے اور پوری جماعت قادیانی و لاہوری جس حالت میں ہے۔ اس میں اور ان لوگوں میں جنہوں نے "حضرت" کو قبول نہیں کیا بجز اس کے کیا تفاوت ہے۔ کہ قبول نہ کرنے والوں نے تو کم از کم اپنا تعلق و رشتہ حضرت خاتم المرسلین سے قائم رکھا اور آپ سے بے وفائی کر کے کسی دوسرے کے نہیں بنے لیکن آپ حضرات نے تو صریح وہ پرانی آخری امور انا لکم الا ... [illegible]۔ دادا کی قال صلی اللہ علیہ وسلم سے انحراف ہی کیا اور ... [illegible]

الفرقان

زیر غور موضوع پر سے گزارش کی موجودہ ابتر حالت کا علاج کیونکر ہو سکتا ہے آپ ... [illegible]

مسلمات میں داخل ہے کہ

"مسلمانوں کو الحادی دلدل سے نکالنے کیلئے
زبردست آسمانی ہاتھ کی ضرورت ہے"۔

ایڈیٹر صاحب "المنبر" نے اس سے اتفاق کا اظہار کیا ہے۔ اب صرف یہ امر متنازعہ فیہ رہ جاتا ہے۔ کہ آیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کی نجات اور اسلام کے وقار کے لئے کوئی مسیحا بھیجا گیا ہے یا نہیں؟ ہمارا یقین ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق عین وقت پر اور ضرورت کے موافق اپنے فرستادہ کو بھیج کر دیا ہے۔ مگر دوسرے لوگ کہتے ہیں۔ کہ ہنوز کوئی نہیں آیا۔ اور نہ ہی کسی کے آنے کی قریب زمانہ میں اب توقع باقی ہے۔ جناب ایڈیٹر صاحب "المنبر" بھی ان لوگوں میں سے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصلح کے آنے کی ضرورت کا اعتراف کرتے ہیں۔ مگر یہ کہتے ہیں کہ ابھی تک کوئی ربانی مصلح آیا نہیں۔ اگرچہ پون صدی بھی گزر چکی ہے۔

ہم نے دیدہ و دانستہ الزام پر لکھا تھا کہ

"مقام افسوس ہے کہ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ
نے جس پاک وجود کو مسلمانوں میں سے
مسیحا بنا کر بھیجا ہے۔ ابھی تک قوم کے علماء
اور راہنما اس کے شنوا نہیں ہوتے"۔

اس پر جناب ایڈیٹر صاحب "المنبر" فرماتے ہیں۔

"مولانا نے جس حضرت کو اس زمانہ میں
پاک وجود مسیحا تسلیم کیا ہے۔ وہ نہ صرف
یہ کہ شان مسیحائی سے محروم تھے۔ بلکہ وہ
خود ایسے مریض تھے۔ جن کا مرض متعدی
تھا۔ اور جن کی وجہ سے کئی لاکھ انسان
ایسے مریض ہوئے کہ ان کی شفایابی ممکن
دکھائی نہیں دیتی"۔

تمام مذاہب کی تاریخ کی متفقہ شہادت ہے کہ کسی فرستادہ ربانی کے آنے پر اس کی قوم نے اسے فوراً ہی قبول نہیں کیا۔ مسیح کے زمانہ کے لوگوں نے حضرت خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تک کو نہ صرف شان نبوت سے محروم قرار دیا بلکہ انہیں "مسحور" اور "مجنون" قرار دیا۔ اور پھر دوسری طرف لوگوں کو "گمراہ" کرنے کے لحاظ سے انہیں "ساحر" اور "کذاب" ٹھہرایا۔ آپ نے جماعت احمدیہ کے لاکھوں افراد کو ایسے مریض قرار دیا ہے۔ جن کی شفایابی کی کوئی امید نہیں۔ حالانکہ اس سے پہلے آپ اپنے متعدد مضامین میں جماعت احمدیہ کی ان کوششوں کو سراہتے رہے ہیں۔ جو کہ یہ جماعت مشرق و مغرب میں اشاعت اسلام کے لئے کر رہی ہے۔ کیا ایسے ہی لوگوں کو بیمار قرار دیا جاتا ہے؟ اگر یہ بیمار ہیں تو ان کی بیماری پر ہزار تندرستی قربان ہو۔

مسلمانوں کی زبوں حالی کے سلسلہ میں ایڈیٹر صاحب "المنبر" نے لکھا ہے۔ کہ :-

"مرزا غلام احمد صاحب نے جب کہ
مہدویت اور مسیحیت اور اس کے
بعد نبوت کا دعویٰ کیا۔ اس امت کا
کیا حال تھا۔ اور اب یہ کس مقام پر ہے
آپ اس سے انکار نہیں کر سکتے
کہ مسلمان بحیثیت مجموعی زوال کی طرف
کچھ قدم اور آگے بڑھے ہیں۔ تو سوچئے
یہ کیا ہوا کہ مریض کراہ رہا ہے۔ کہ
مسیحا آئے اور رخت سفر باندھ
چل دئے۔ لیکن مریض پہلے سے بھی
زیادہ مریض ہو گیا"۔

ہم اس سوال کی وجہ سمجھنے سے قاصر ہیں کیا حضرت مسیح ابن مریمؑ کے وقت ان کی قوم کی جو

حالت تھی۔ کیا ان کا انکار کرنے کے بعد وہ اور زوال پذیر نہ ہو گئی تھی مسیحا ایک نسخہ کیمیا لیکر آتا ہے۔ نبی ایک اصلاحی اور روحانی پروگرام اپنی قوم کے سامنے پیش کرتا ہے۔ لیکن اگر لوگ اس نسخہ کو ٹھکرا دیں اور اس پروگرام سے منہ پھیر لیں اور پھر الزام دیں کہ ہمیں تو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ تو ظاہر ہے کہ ان کا یہ الزام محض معاندانہ ضد ہے جس کی کچھ حقیقت نہیں ہے۔

فاضل مدیر صاحب کو خود یہ بات کھٹکتی ہے اسی لئے فرماتے ہیں۔ کہ :-

"اگر مرزا صاحب کے ہاتھوں ہی اس امت کی فلاح موعود تھی۔ تو اس امت کو یہ توفیق بھی خدا ہی کی طرف سے ودیعت ہوتی۔ کہ وہ اس مسیحا سے اپنے دکھوں کا علاج کرائے"

بلاشبہ ایمان کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ملتی ہے۔ مگر دین میں کوئی جبر نہیں ہوتا۔ نبی اپنے مخاطبین کو جبراً دین میں داخل نہیں کرتا۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ جبراً کسی کو "توفیق ایمان" دیتا ہے۔ آخر کیا یہ کوئی ڈھکی چھپی بات ہے۔ کہ یہود و نصاریٰ کی فلاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے ساتھ وابستہ تھی۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انتہائی تڑپ اور سعی کے باوجود بہت کم عیسائی اور بہت ہی کم یہودی ابتداءً ایمان کی توفیق پا سکے۔ کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے۔ کہ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے خلاف ہے؟

سلسلہ احمدیہ میں "لاکھوں" افراد تو داخل ہو چکے ہیں۔ اور لاکھوں انسان دل ہی دل میں احمدیہ عقائد کی حقانیت کے قائل ہیں اور وقت آنے پر کروڑوں انسان اس حقیقی اسلام کو قبول کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی پیشگوئی کے مطابق کامل غلبہ کیلئے تین صدیوں کا زمانہ مقرر ہے۔ فانتظروا انا معکم منتظرون۔

حضرت مرزا صاحب صرف "مسیح" نہ تھے بلکہ احمد اور مہدی بھی تھے اس لئے اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کو کشاں کشاں احمدیت کی حقیقت اپنانے کی توفیق دے رہا ہے۔ آپ ذرا پچاس برس پیشتر کی مسلمانوں کی حالت پر غور کریں۔ اور پھر آج کی حالت پر غور کریں۔ کیا آج کا مسلمان اپنے فکر اور عمل میں احمدیت کے زیادہ قریب نہیں؟ کیا مسلمانوں کا مادی عروج ان کے اقتدار کی ترقی، ان کا خطرناک علماء کے چنگل سے رہائی پانا۔ اس شاندار مستقبل کے عمدہ نشانات نہیں جس کا ذکر اس الہام میں ہے۔

"بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و
پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد"

ایڈیٹر صاحب "المنبر" لکھتے ہیں :-

"پھر یہ بھی دیکھئے۔ کہ جن لوگوں نے اس مسیحا کے دست شفا سے جام نوش کیا۔ ان کا کیا حال ہے؟ وہ کونسا اعتقادی فساد ہے۔ جو خود آپکے ہاں موجود نہیں وہ کونسی خلفشار ہے۔ جو مسلمانوں میں پائی جاتی ہے۔ اور چالیس پچاس سال میں قادیانی حضرات نے اسے پوری طرح قبول نہ کیا ہو؟"

اگر یہ اعتراض نظر کا قصور نہیں۔ تو فاضل مدیر غور کریں کہ اس کے باوجود احمدیہ جماعت سے مثالی دینی قربانیوں اور اصلاحی خدمات کی توفیق

کس طرح پادہی ہے؟ یہ واقعہ ہے۔ کہ ہمارے ہاں کسی قسم کا اعتقادی فساد نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس نوعیت کی کوئی خلفشار ہے جو آج کے مسلمانوں میں پائی جا رہی ہے۔ باقی الٰہی جماعتوں میں بعض کمزور اور منافقین کا ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اس قسم کے جزوی واقعات خدائی مامور کی صداقت کی دلیل ہوتے ہیں نہ کہ اس کے بطلان پر گواہ۔ یہ تو اسی طرح کی نادانی ہے۔ جیسا کہ بعض یہودی علماء اولین مسیحیوں اور عیسائی پادری اولین مسلمانوں کے بعض حالات اور اختلافی واقعات اور تنازعات کو پیش کر کے اختیار کیا کرتے ہیں

عاقل را اشارہ کافیست

باقی رہا بعض گندہ طبع لوگوں کا اتہامات تراشنا تو اس سے کونسا مقدس انسان محفوظ رہا ہے؟ کیا حضرت مریمؑ، حضرت عائشہؓ، حضرت یوسفؑ اور خود حضرت عمرؓ اپنے اپنے زمانہ کے نالائق لوگوں کے ذریعہ ایسے الزامات کا نشانہ نہ بنائے گئے تھے۔ جن سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ

اولئك مبرؤن مما يقولون

کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عمرؓ پر الزام لگانے والے اپنے آپ کو "مسلمان" نہ کہتے تھے؟ ہمارے اور ہمارے مخالفین اور ان منافقین کے درمیان قرآن مجید حَکَم ہے۔ جو معیار قرآن مجید نے ایسے الزامات کے پرکھنے کے لئے مقرر کیا ہے۔ ہم نے اس کے مطابق ان الزامات کا جھوٹ و افترا ہونا ثابت کر دیا ہے۔ جھوٹی حلف اٹھانے والے یا اپنے ناپاک الزامات پر اصرار کرنے والے قیامت کے دن الٰہی مواخذہ میں ہونگے

وسيعلم الذين ظلموا أيّ
منقلب ينقلبون۔

ایڈیٹر صاحب "المنبر" خدا ترسی سے کام لے کر بتائیں۔ کہ اگر چند ظالم اور روحانیت سے بے بہرہ انسان کسی امام یا لیڈر پر اخلاقی الزامات لگائیں تو کیا امت کا یہ طریق رہا ہے۔ کہ وہ اخلاق باختہ لوگوں کی بات کو قرآنی ثبوت کے بغیر قبول کر لیتی رہی ہے۔ یا اس نے ان الزام لگانے والوں کو آیت قرآنی

فاولئك عند الله هم الكاذبون

کے مطابق جھوٹا قرار دیا ہے؟ خلفائے راشدین پر گندے الزام لگانا تو ہمیشہ سے ایک گروہ کا شیوہ رہا ہے۔ ہم حیران ہیں کہ جماعت احمدیہ کے بارے میں بات کرتے وقت بڑے بڑے مدعیان حق و انصاف جادۂ صواب سے کس طرح منحرف ہو جاتے ہیں۔ اہل فکر کے نزدیک ان لوگوں کا یہ رویہ ایک طرف جماعت احمدیہ کی مظلومیت کو نمایاں کر رہا ہے۔ اور دوسری طرف ان لوگوں کے اہل باطل ہونے کا گواہ ہے

جھوٹی حلف اٹھانے والوں پر عذاب نہ آنے کی بھی ایک ہی کہی، ہمارا یقین ہے۔ کہ جس طرح جھوٹی قسمیں کھانے والے دور اول کے منافقین پر

"اولا يرون انهم يفتنون في كل
عام مرة او مرتين ثم لا
يتوبون ولا هم يذكرون" (توبہ ۱۲۶)

کے مطابق عذاب آتے رہے ہیں۔ وہ ان لوگوں پر بھی آ رہے ہیں پھر کیا یہ کم عذاب ہے۔ کہ روحانی زندگی سے بے نصیب ہو کر خدمت دین سے محروم ہو رہے ہیں۔

ایڈیٹر "المنبر" پوچھتے ہیں۔ کہ مسیح موعودؑ کی خلافت ثانیہ میں "مقبول و مردود" ہونے کا معیار کیا رہا ہے؟ ہمارا یقین ہے۔ کہ قرآنی معیار "ان اكرمكم عند الله اتقاكم" ہی ہمیشہ قائم رہا

ہے۔ اگر آپ کا اشارہ انتظامی عہدوں کی طرف ہے تو ان میں تقوی کے ساتھ انتظامی قابلیت کا بھی لحاظ ضروری ہوتا ہے۔ نیز فیصلے انسان کرتے ہیں جنہیں علم غیب نہیں ہوتا۔ اس لئے نیک نیتی سے غلط فیصلے بھی ہو سکتے ہیں۔ مالیات اور مقبول و مردود ہونے کے بارے میں آپ نے جو اشارے کئے۔ اس سے بہت بڑھ کر اعتراضات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کئے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر کئے گئے۔ بلکہ خود سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم تک کو ایک نااہل سے شخص نے کہہ دیا تھا کہ

"یہ مالی تقسیم جنبہ دارانہ ہے"۔

ایڈیٹر صاحب "المنبر" جماعت احمدیہ کے چند اولین افراد کے نام لیکر پوچھتے ہیں :-

"ان حضرات کے جانشین جو اصحاب ہیں، شخصیتوں، اخلاق، علم اور دوسرے انسانی اوصاف کے اعتبار سے ان کا مقام کیا ہے؟"

جواباً عرض ہے کہ اوّل تو صحابہ کے بعد تابعین کا مقام ہوتا ہے۔ اور تابعین کے بعد تبع تابعین کا مقام ہوتا ہے۔ باقی رہا ہمارے نوجوانوں کے اخلاق و کردار اور علم و شخصیت کا سوال۔ تو ہمیں تو اپنی جماعت میں بلند شخصیتوں، اعلیٰ اخلاق اور علم و اوصاف کے مالک نوجوان نظر آ رہے ہیں۔ جماعت کی جملہ مشکلات میں سینہ سپر ہونے والے اور اسلام کی خاطر ساری زندگی قربان کرنے والے قابل رشک نوجوان دکھائی دیتے ہیں۔ اگر آپ کو نظر نہ آئیں۔ تو آپ کی معذوری ہے۔ اگر یہ بحث نامناسب نہ ہوتی کہ میں نئی پود کے ہونہار وجودوں میں سے منتخب افراد کو پیش کر کے ان کے اوصاف شمار کرتا تو ایسا بھی کیا جا سکتا تھا۔

ایڈیٹر صاحب نے آخر میں "قادیانی اور لاہوری" کا ذکر کیا ہے حالانکہ انہیں خوب معلوم ہے۔ کہ لاہوری صاحبان کا اختلاف مرکزی جماعت سے محض ذاتی اور غلط وجہ سے ہوا تھا۔ مگر بایں ہمہ یہ بات بھی ہے۔ کہ جماعت احمدیہ قادیان کی طرح لاہوری فریق کے افراد بھی حتی الامکان اشاعت اسلام کرتے رہتے ہیں گویا احمدیت کے نشے کا یہ اثر ہے۔ کہ وہ اختلاف کے باوجود بھی نصب العین کے لئے کوشاں ہیں کیا یہ امر خود احمدیت کی صداقت کی دلیل نہیں؟

آخری ظلم اس مضمون میں حکیم عبدالرحیم صاحب اشرف ایڈیٹر صاحب "المنبر" نے یہ کیا ہے۔ کہ انہوں نے سراسر ناجائز طور پر جماعت احمدیہ پر الزام لگا دیا ہے۔ کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ارشاد "انتم آخر الامم وانا آخر الانبیاء" سے انحراف بھی کیا۔ اور بنا بنایا کچھ بھی نہیں۔ جماعت احمدیہ مسیح موعودؑ کی جماعت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی فرد کو مسیح موعودؑ مانتی ہے۔ اس لئے اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے کسی ارشاد سے اعراض یا انحراف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ باقی رہا یہ کہنا کہ "کہ بنا بنایا کچھ بھی نہیں" یہ تو واقعات کی رو سے سراسر غلط بیانی ہے۔ اس کے جواب میں ہم حکیم عبدالرحیم صاحب اشرف ایڈیٹر "المنبر" کے تین سال پیشتر کے اعترافات پیش کرنا ہی کافی سمجھتے ہیں لکھتے ہیں :-

مخالفین کی ناکامی

"ہمارے بعض واجب الاحترام بزرگوں نے اپنی تمام تر صلاحیتوں سے قادیانیت کا مقابلہ کیا لیکن یہ حقیقت سب کے سامنے ہے۔ کہ قادیانی جماعت پہلے سے زیادہ مستحکم اور

وسیع ہوتی گئی۔ مرزا صاحب کے بالمقابل جن لوگوں سے کام کیا۔ ان میں سے اکثر تقویٰ، تعلق باللہ، دیانت، خلوص، علم اور اثر کے اعتبار سے پہاڑوں جیسی شخصیتیں رکھتے تھے۔ سید نذیر حسین صاحب دہلوی، مولانا انور شاہ صاحب دیوبندی، مولانا قاضی سید سلیمان منصور پوری، مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی، مولانا عبد الجبار غزنوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور دوسرے اکابر رحمہم اللہ وغفر لہم کے بارے میں ہمارا حسن ظن یہی ہے۔ کہ یہ بزرگ قادیانیت کی مخالفت میں مخلص تھے۔ اور ان کا اثر اور رسوخ بھی اتنا زیادہ تھا کہ مسلمانوں میں بہت کم ایسے اشخاص ہوتے ہیں، جو ان کے ہم پایہ ہوں۔

اگرچہ یہ الفاظ سننے اور پڑھنے والوں کے لئے تکلیف دہ ہوں اور قادیانی اخبارات اور رسائل چند دن اپنی تائید میں پیش کر کے خوش ہوتے رہیں گے لیکن ہم اس کے باوجود اس تلخ نوائی پر مجبور ہیں کہ ان اکابر کی تمام کاوشوں کے باوجود قادیانی جماعت میں اضافہ ہوا ہے۔ متحدہ ہندوستان میں قادیانی بڑھتے رہے تقسیم کے بعد اس گروہ نے پاکستان میں نہ صرف پاؤں جما لئے بلکہ یہاں ان کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ وہاں ان کا یہ حال ہے۔ کہ ایک طرف تو روس اور امریکہ سے سرکاری سطح پر آنے والے سائنسدان ربوہ آتے ہیں۔ (گذشتہ ہفتہ روس اور امریکہ سے دو سائنسدان ربوہ وارد ہوئے) اور دوسری جانب ۱۹۵۳ء کے عظیم تر ہنگامہ کے باوجود قادیانی جماعت اس کوشش میں ہے کہ اس کا ۵۶-۱۹۵۵ء کا بجٹ پچیس لاکھ روپیہ کا ہو۔"

(المنیر ۲۳ فروری ۱۹۵۶ء)

جماعت احمدیہ کے کارنامے

"قادیانیت میں نفع رسانی کے جو جوہر موجود ہیں۔ ان میں اولین اہمیت اس جدوجہد کو حاصل ہے جو اسلام کے نام پر وہ غیر مسلم ممالک میں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ قرآن مجید کو غیر ملکی زبانوں میں پیش کرتے ہیں تثلیث کو باطل ثابت کرتے ہیں سید المرسلین کی سیرت طیبہ کو پیش کرتے ہیں۔ ان ممالک میں مساجد بنواتے ہیں۔ اور جہاں کہیں ممکن ہو۔ اسلام کو امن و سلامتی کے مذہب کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔"

(المنیر ۲ مارچ ۱۹۵۶ء ص۱۰)

جماعت احمدیہ کی جدوجہد کا نمایاں پہلو

"قادیانیوں نے گذشتہ پچاس سالوں میں اندرون اور بیرون ملک اپنی قومی زندگی کو قائم رکھنے اور قادیانی تحریک کو عام کرنے کے سلسلہ میں جو جدوجہد کی ہے اس کا یہ پہلو نمایاں ہے۔ کہ انہوں نے اس کے لئے انتہائی قربانی سے کام لیا ہے۔ ملک میں ہزاروں اشخاص ایسے ہیں جنہوں نے اس نئے مذہب کی خاطر اپنی برادریوں سے علیحدگی اختیار کی۔ دنیوی نقصانات برداشت کئے اور جان و مال کی قربانیاں پیش کیں۔"

(المنیر ۲ مارچ ۱۹۵۶ء ص۱۰)

جماعت احمدیہ کا تبلیغی نظام

"قادیانی تنظیم کا تیسرا پہلو وہ تبلیغی نظام ہے جس نے اس جماعت کو بین الاقوامی جماعت بنا دیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے۔ کہ بھارت، کشمیر، انڈونیشیا، اسرائیل، جرمنی، ہالینڈ، سوئٹزرلینڈ، امریکہ، برطانیہ، دمشق، نائیجیریا، افریقی علاقے اور پاکستان کی تمام قادیانی جماعتیں محمود احمد صاحب کو اپنا امیر اور خلیفہ تسلیم کرتی ہیں۔ اور ان کے بعض دوسرے ممالک کی جماعتوں اور افراد نے کروڑوں روپیوں کی جائدادیں "صدر انجمن احمدیہ ربوہ" اور "صدر انجمن احمدیہ قادیان" کے نام وقف کر رکھی ہیں۔"

(المنیر ۲ مارچ ۱۹۵۶ء ص۱۰)

صلاۃ وسلام

[ذیل کی عربی نظم سیرالیون مغربی افریقہ سے وہاں کے شافعی تاجر جناب السید حسن محمد افندی ابراہیم الحسینی نے لکھی جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعوت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ جزاہ اللہ خیراً ـــ ایڈیٹر]

جاءنا المهدي من دار الأمان ... (قاديان) وبه انجاب الظلام
وجيوش الشرك والكفر غدت ... ممعنات مذ أتى في الانهزام
قادة الدين استجيبوا للذي ... جاء يدعوكم الى سبل السلام
بايعوه واقبلوا دعوته ... ودعوا كل شقاق وخصام
قادة الدين ألا رفقاً به ... انصروه من أعاديه اللئام
واخلعوا عنكم ابراد الكرى ... واسهروا ان رمتم نيل المرام
فالمعالي لم ينلها نوّمٌ ... منذ كانت والى يوم القيام
سوف تبقى سادتي وقفاً على ... من بها يوسع خطو الأمام
حذروا منكم صنوفاً وشحذوا ... شبا عزمكم بعد انثلام
واهجروا النوم وهبوا فعسى ... تسمعون الصم تحيون الرمام
أدركوا الاسلام حالاً وبه ... رمقٌ من قبل ان يلقى الحمام
وارفعوا اعلامه فوق الذرى ... واجعلوا منها منارا للأنام
وعلى شمس الهدى بدر الدجى ... المصطفى والآل والصحب الكرام

وعلى هادي الزمان مسيحنا
هبت الريح صلوة وسلام

مجھے دیکھ طالب منتظر مجھے دیکھ شکل مجاز میں

(سیدہ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے افکار عالیہ)

ڈاکٹر اقبال مرحوم کی مشہور نظم سے "کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں" کے سلسلہ میں ایک نہایت پُر معارف اور وجاہت سے لبریز نظم حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے رقم فرمائی تھی جو پہلے سے شائع شدہ ہے جناب سید محمد حسین صاحب راولپنڈی نے اسے بغرض اشاعت کیلئے بھجوایا ہے اسے قند مکرر کے طور پر شائع کیا جاتا ہے۔ (ایڈیٹر)

مجھے دیکھ طالب منتظر مجھے دیکھ شکل مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں تری جبین نیاز میں

جو خلوص دل کی رمق بھی ہے ترے ادعائے نیاز میں
مجھے ڈھونڈ دل کی تڑپ میں تو مجھے دیکھ روئے نگار میں

ترے دل میں میرا ظہور ہے ترا سر ہی خود سر طور ہے
مجھے بلبلوں کی صداؤں میں سن کبھی دیکھ گل کے نکھار میں

تیری آنکھ میں میرا نور ہے تجھے کون کہتا ہے دور ہے
مری ایک شان خزاں میں ہے مری ایک شان بہار میں

مجھے دیکھتا جو نہیں ہے تو یہ تیری نظر کا قصور ہے
مجھے دیکھ طالب منتظر مجھے دیکھ شکل مجاز میں

مجھے دیکھ طالب منتظر مجھے دیکھ شکل مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں تری جبین نیاز میں

کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں تری جبین نیاز میں
میرا نور شکل ہلال میں میرا حسن بدر کمال میں

مجھے دیکھ رفعت کوہ میں مجھے دیکھ پستی کاہ میں
کبھی دیکھ طرز جمال میں کبھی دیکھ شان جلال میں

مجھے دیکھ عجز فقیر میں مجھے دیکھ شوکت شاہ میں
رگ جان سے ہوں میں قریب تر تیرا دل ہے کس کے خیال میں

نہ دکھائی دوں تو یہ فکر کر کہیں فرق ہو نہ نگاہ میں
مجھے دیکھ طالب منتظر مجھے دیکھ شکل مجاز میں

مجھے دیکھ طالب منتظر مجھے دیکھ شکل مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں تری جبین نیاز میں

بہائی صاحبان کے اعتراضات کے جوابات

ایک کشمیری رسالہ پر نظر

دیباچہ کا خلاصہ جناب ابوظفر صاحب کشمیری نے ایک رسالہ "احمدی صاحبان کے لئے لمحۂ فکریہ" لکھا ہے۔ اس کے دیباچہ میں آپ نے تحریر کیا ہے۔ کہ جس طرح مخالفین احمدیت کی تحریریں جماعت احمدیہ پر حجت نہیں ہیں۔ اسی طرح اہل بہاء کے خلاف ان کے مخالفین کے لٹریچر سے سند پکڑنا درست نہیں پھر لکھتے ہیں:۔

"بہائیوں کو صرف حضرت باب، بہاء اللہ اور عبد البہاء کی تحریریں مسلّم ہیں"۔

اس پر سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جناب باب کی ساری وحی کو بہائی لوگ منسوخ مانتے ہیں۔ پھر باب کی تحریروں کے مسلّم ہونے کا کیا مطلب ہے؟ باقی رہے جناب بہاء اللہ۔ سو ان کی تیار کردہ کتاب الاقدس کو جو اہل بہاء کی شریعت ہے۔ آپ لوگوں نے آج تک شائع نہیں کیا پھر کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ کہ ان تحریروں میں کسی قسم کی کمی اور بیشی آپ لوگ نہیں کر رہے؟

کیا یہ عجیب بات نہیں کہ آپ لوگوں نے عمداً اصل کتابیں شائع نہیں کیں۔ کیونکہ جناب بہاء اللہ نے آپ کو حکم دے رکھا ہے۔

"استر ذہبک وذہابک و مذہبک"

"کہ اپنے مال۔ آمد و رفت اور مذہب کو مخفی رکھو"۔ (بہجۃ الصدور صفحہ ۸۳)

اور پھر مدار گفتگو یہ ٹھہرا رہے ہیں۔ کہ ہم صرف باب بہاء اللہ اور عبد البہاء کی تحریروں کو تسلیم کرتے ہیں؟

جناب ابوظفر صاحب صرف "تحریروں" کو حجت قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ بہائی عقیدہ کے مطابق۔ ان لوگوں کا قول بھی وحی کی حیثیت رکھتا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ یہ تنگیٔ دامن کا رویہ کسی مصلحت کے ماتحت تو اختیار نہیں کیا جاتا؟ ہمیں ہی یہ شکایت نہیں کہ بہائی لوگ اپنے اصلی لٹریچر کو شائع نہیں کرتے بلکہ خود بہائی بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ چنانچہ جناب حشمت اللہ قریشی بہائی لکھتے ہیں:۔

"عام طور پر حضرت باب، حضرت بہاء اللہ اور حضرت عبد البہاء کی کتابوں کے کمیاب ہونے کی وجہ سے بعض تاریخی اور تعلیمی غلط فہمیاں پھیل گئی ہیں" (رسالہ بہاء اللہ کی تعلیمات ص۲)

ابوظفر صاحب کہتے ہیں کہ:۔

"بہائیوں کی تاریخ باب الحیاۃ یا مقالۂ سیاح یا عصر جدید یا اس قسم کی دوسری کتابیں ہیں جو بہائیوں کو مسلّم ہیں۔ ان کے ذریعہ بہائیوں پر اتمام حجت ہو سکتی ہے"۔

اوّل تو یہ سوال ہے۔ کہ آیا یہ کتابیں۔ باب یا بہاء اللہ یا عبد البہاء کی "تحریریں" ہیں۔ مقالۂ سیاح کو محققین تو عبد البہاء کی تصنیف قرار دیتے ہیں۔ مگر بہائی اس کا کھلا اعتراف نہیں کرتے۔ عصر جدید تو ایک امریکن بہائی کی کتاب کا ترجمہ ہے۔ اگر بہائیوں کو صرف باب یا بہاء اللہ اور عبد البہاء کی تحریریں ہی مسلّم ہیں۔ تو ان تاریخی کتابوں سے ان پر اتمام حجت کیونکر ہوگا؟

یہ امر بھی موجب حیرت ہے۔ کہ ابوظفر صاحب جناب علی بہائی کے رسالہ کو کب ہند کے حوالہ جات ماننے سے بھی گریز کر رہے ہیں۔ حالانکہ جناب علی کو ان بہائیوں میں "صاحب البیت" ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔

ابوظفر جناب پروفیسر براؤن پر ناراض ہیں۔ کہ انہوں نے نکتۃ الکاف میرزا کاشانی کی شائع کر دی جس سے بابی اور بہائی تحریک کے بہت سے تاریک پہلو نمایاں ہو گئے حالانکہ پروفیسر براؤن اہل بہاء کے نزدیک خاص مقرب شخص تھے جنہوں نے بابی اور بہائی تاریخ کا قریب سے مطالعہ کیا تھا۔ اس بارے میں "عصر جدید"[1] کے مصنف نے لکھا ہے

"سوائے پروفیسر براؤن کی ملاقات کے جنہوں نے ۱۸۹۰ء میں چار مرتبہ آپ (بہاء اللہ) سے ملاقات فرمائی اور ہر مرتبہ ۲۰ یا ۳۰ منٹ تک آپ کے حضور میں رہے۔ آپ نے کسی مشہور مغربی اہل خیال سے ملاقات نہ فرمائی تھی۔" (عصر جدید اردو صفحہ ۵۶)

ان حالات میں ابوظفر کی ناراضگی حقائق کو بدل نہیں سکتی۔ اور تاریخی واقعات کو اس قسم کی حرکات سے مسخ نہیں کیا جا سکتا۔ ہم ابوظفر صاحب کو یقین دلاتے ہیں۔ کہ ہم اپنے جوابات میں کوئی ایسا حوالہ یا ایسی عبارت ان پر اتمام حجت کے طور پر پیش نہ کرینگے جو ان کے مسلمات میں نہ ہو۔ اگرچہ ہمارے نزدیک بہت سے حقائق دوسرے مقامات پر مذکور ہیں۔ اور ہم انہیں عند الضرورت ذکر کر سکتے ہیں۔

اس یقین دہانی کے ساتھ ساتھ ہم یہ بیان کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ ابوظفر صاحب نے جماعت احمدیہ کے ساتھ بات کرتے وقت اس اصول کو مدنظر نہیں رکھا جس کا وہ ہم سے مطالبہ کرتے ہیں۔ گویا ان کے دینے کے باٹ اور ہیں اور لینے کے اور۔ اس حقیقت کا بیان ہمارے جوابات کے آئندہ صفحات میں آپ کی نظر سے گزرے گا۔

صادق مدعی کی ایک علامت

جناب ابوظفر صاحب نے دیباچہ کے بعد بابیت اور بہائیت کی سرسری اور غیر مستند تاریخ میں چند سطور لکھنے کے بعد یہ سوال اٹھایا ہے۔ کہ صادق مدعی کی یہ علامت ہوتی ہے۔ کہ وہ تمام مدعیوں میں پہلا دعویٰ کرنے والا ہوتا ہے۔ نیز چونکہ باب و بہاء نے مہدی اور مسیح ہونے کا دعویٰ حضرت میرزا غلام احمد علیہ السلام سے پہلے کیا تھا۔ اس لئے ثابت ہوا کہ باب و بہاء کا دعویٰ سچا تھا۔ حضرت میرزا صاحب نے صرف ان کی نقل کی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کی عبارتیں

ابوظفر صاحب نے اس بات کے ثبوت کے لئے کہ صادق مدعی کا دعویٰ سب سے پہلے ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب چشمہ معرفت کتاب ضرورۃ الامام سے نیز اخبار بدر سے حوالے پیش کئے ہیں۔ ابوظفر صاحب نے حوالہ جات کے نقل کرنے میں پوری احتیاط نہیں کی۔ ہم پہلے متعلقہ عبارتیں اصل کتاب سے درج کرتے ہیں:

۱۔ "منجملہ ان لوازم خاصہ کے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے زمانہ میں اس کا ظہور سب مدعیوں سے پہلے ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے تب ابھی جھوٹے نبیوں کا نام و نشان نہ تھا۔ اور جب ان کا نور زمین پر خوب روشن ہو گیا۔ تب مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی اور ابن صیاد وغیرہ جھوٹے نبی ظاہر ہوئے تا خدا دکھلاوے کہ کس طرح وہ سچے کی حمایت کرتا ہے اصل بات یہ ہے۔ کہ سچے نبی کے ظہور کیوقت

[1] عصر جدید کو ابوظفر صاحب اپنی مسلمہ کتب میں سے قرار دے چکے ہیں۔

بارش کے موسم کی طرح آسمان پر انتشار روحانیت ہوتا ہے۔ اور اکثر لوگوں کو سچی خوابیں آنی شروع ہو جاتی ہیں۔ الہام بھی ہونے لگتے ہیں۔ اس دھوکہ سے بعض جھوٹے نبی اپنی حد سے بڑھ کر نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں"۔ (چشمہ معرفت ص۳۲۰ حاشیہ)

۲۔ "ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امام آخر الزماں کی ضرورت ہر ایک صدی کے لئے قائم کی ہے۔ اور صاف فرما دیا ہے۔ کہ جو شخص اس حالت میں خدا تعالیٰ کی طرف آئے گا۔ کہ اس نے اپنے زمانہ کے امام کو شناخت نہ کیا۔ وہ اندھا آئے گا۔ اور جاہلیت کی موت پر مریگا۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ملہم یا خواب بین کا استثنا نہیں کیا۔ جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ کوئی ملہم یا خواب بین ہو اگر وہ امام الزماں کے سلسلہ میں داخل نہیں ہے۔ تو اس کا خاتمہ خطرناک ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اس حدیث کے مخاطب تمام مومن اور مسلمان ہیں۔ اور ان میں ہر ایک زمانہ میں ہزاروں خواب بین اور ملہم بھی ہوتے آئے ہیں۔ بلکہ صحیح تو یہ ہے۔ کہ امت محمدیہ میں کئی کروڑ ایسے بندے ہونگے۔ جن کو الہام ہوگا۔ پھر ماسوا اس کے حدیث و قرآن سے یہ ثابت ہے۔ کہ امام الزماں کے نور کا ہی پرتو ہوتا ہے۔ جو مستعد دلوں پر پڑتا ہے حقیقت یہ ہے۔ کہ جب دنیا میں کوئی امام الزماں آتا ہے۔ تو ہزارہا انوار اس کے ساتھ آتے ہیں۔ اور آسمان میں ایک صورت انبساطی پیدا ہو جاتی ہے۔ انتشار روحانیت اور نورانیت ہو کر نیک استعدادیں جاگ اٹھتی ہیں۔ پس جو شخص الہام کی استعداد رکھتا ہے اس کو سلسلہ الہام شروع ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص فکر و غور کے ذریعہ سے دینی تفقہ کی استعداد رکھتا ہے۔ اس کے تدبر اور سوچنے کی قوت کو زیادہ کیا جاتا ہے اور جس کو عبادت کی طرف رغبت ہو اس کو تعبد اور پرستش میں لذت عطا کی جاتی ہے اور جو شخص غیر قوموں کے ساتھ مباحثات کرتا ہے۔ اس کو استدلال اور اتمام حجت کی طاقت بخشی جاتی ہے اور یہ تمام باتیں درحقیقت اسی انتشار روحانیت کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ جو امام الزماں کے ساتھ آسمان سے اترتی اور ہر ایک مستعد کے دل پر نازل ہوتی ہے"۔ (ضرورۃ الامام ص۳)

۳۔ "فرمایا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی بہت سے جھوٹے نبی پیدا ہوتے تھے مگر جھوٹا ہمیشہ بعد میں پیدا ہوتا ہے سچا پہلے ظاہر ہو جاتا ہے۔ تو پھر اس کی ریس کر کے جھوٹے بھی نکل کھڑے ہوتے ہیں ہمارے دعویٰ سے پہلے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کس نے اس طرح خدا تعالیٰ سے الہام پا کر مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہو۔ مگر ہمارے دعویٰ کے بعد چراغ دین اور عبد الحکیم اور کئی ایک دوسرے ایسے پیدا ہو گئے ہیں"

(بدر یکم اگست ۱۹۰۷ء جلد ۶ نمبر ۳۱ ص۱۰)

جناب ابوظفر صاحب کشمیری ان حوالہ جات کے بعد لکھتے ہیں :-

"ازالہ اوہام ایڈیشن ثالث ص۲۷۹ نور الحق جلد دوم ص۱۵، ص۲۴ وکتاب نشان آسمانی ایڈیشن ثانی ص۷ و ص۱۶ و خطبہ الہامیہ ص۱۲۳ و اخبار بدر قادیان جلد ۶ ۳۱ ۱۹۰۷ء پر بڑے زوردار الفاظ میں فرماتے ہیں۔ کہ مسیح موعود کا ظہور چودھویں صدی سے پہلے یا چودھویں صدی کے سر پر ہوگا۔ اس سے تجاوز نہ کرے گا۔ یہ عاجز ایسے وقت میں آیا ہے جس وقت میں مسیح موعود کو آنا چاہئے تھا۔ دوسرے ملکوں میں یہاں تک کہ بلاد عرب شام ایسے مدعی کے وجود سے خالی ہیں یہ دعویٰ تیرہ سو برس سے آج تک بجز اس عاجز (مرزا صاحب) کے کسی نے نہیں کیا ہے۔"

گویا آپ کا سوال یہ ہے کہ جب باب اور بہاء اللہ نے حضرت مرزا صاحب علیہ السلام سے پہلے مہدی اور مسیح ہونے کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ تو حضرت مرزا صاحب یہ کس طرح کہتے ہیں۔ کہ ان سے پہلے کسی نے یہ دعوے نہیں کیا۔ نیز یہ کہ پہلے دعویدار ہونے کے باعث باب اور بہاء اللہ کو سچا ماننا چاہئے۔

اس سوال کے جواب کی وضاحت کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ ذیل حوالہ جات خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔ حضور تحریر فرماتے ہیں :-

(الف) "مجھے عین چودھویں صدی کے سر پر جیسا کہ مسیح ابن مریم چودھویں صدی کے سر پر آیا تھا مسیح الاسلام کر کے بھیجا۔ اور میرے لئے اپنے زبردست نشان دکھلا رہا ہے اور آسمان کے نیچے کسی مخالف مسلمان یا یہودی یا عیسائی وغیرہ کو طاقت نہیں کہ ان کا مقابلہ کر سکے۔" (کشتی نوح صفحہ ۵)

(ب) "اس آیت کی تشریح میں یہ حدیث ہے لو کان الایمان معلقاً بالثریا لنالہ رجل من فارس اور چونکہ اس فارسی شخص کی طرف وہ صفت منسوب کی گئی ہے۔ جو مسیح موعود اور مہدی سے مخصوص ہے یعنی زمین جو ایمان اور توحید سے خالی ہو کر ظلم سے بھر گئی ہے۔ پھر اس کو عدل سے پر کرنا۔ لہٰذا یہی شخص مہدی اور مسیح موعود ہے۔ اور وہ میں ہوں اور جس طرح کسی دوسرے مدعی مہدویت کے وقت میں کسوف خسوف رمضان میں آسمان پر نہیں ہوا۔ ایسا ہی تیرہ سو برس کے عرصہ میں کسی نے خدا تعالیٰ سے الہام پاکر یہ دعویٰ نہیں کیا۔ کہ اس پیشگوئی لنالہ رجل من فارس کا مصداق میں ہوں۔"

(تحفہ گولڑویہ ص۲۵ طبع سوم)

دونوں دعووں میں فرق

ان دو عبارتوں کو ابوظفر صاحب کے ذکر کردہ حوالہ جات کے ساتھ ملانے سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایسے مدعیوں کا ذکر فرما رہے ہیں جن کے دعویٰ کی نوعیت اور کیفیت ایک ہو۔ اور وہ ایک ہی زمانہ اور علاقے میں ہوں جن کے بارے میں بالبداہت سمجھا جا سکے کہ پہلے مدعی کے بعد دوسروں نے اس کی "ریس" کر کے دعوے کئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے مدعیوں میں سے پہلے دعویٰ کرنے والے کو ترجیح حاصل ہوگی۔ اور اگر دیگر دلائل صداقت اس کی تصدیق کریں۔ تو وہ صادق ہوگا اور اس کی صداقت کے لوازم خاصہ میں سے ایک یہ بھی شمار ہوگا کہ اس نے سب سے پہلے دعوے کیا ہے۔

اس وضاحت کی روشنی میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

کہ چونکہ باب اور بہاء نے حضرت میرزا صاحب سے پہلے دعویٰ کر دیا تھا۔ اس لئے کیوں نہ ان کو صادق سمجھا جائے اور حضرت میرزا صاحب کو ان کی ریس کرنے والا قرار دیا جائے۔ چونکہ بہائیوں کے پیشواؤں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعوے میں زمین و آسمان کا فرق ہے یاد رہے کہ :۔

(۱) باب اور بہاء نے اللہ تعالیٰ کی وحی کے ماتحت کوئی دعویٰ نہیں کیا تھا بلکہ وہ تو اپنے ہر قول کو الہام و وحی قرار دیتے تھے۔ اور ان کا دعویٰ اسی طرح الوہیت کا دعویٰ تھا جس طرح عیسائی حضرت مسیح کو اللہ اور ابن اللہ قرار دیتے ہیں۔

(۲) باب اور بہاء نے مہدی اور مسیح کو الگ الگ قرار دیا اور ایک ایک دعویٰ اپنا لیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسیح اور مہدی کو ایک وجود قرار دیکر خود دعویٰ فرمایا۔

(۳) باب اور بہاء کے دعووں کا مقصد یہ تھا۔ کہ قرآن مجید منسوخ ہو گیا۔ اب نئی شریعت البیان یا الاقدس پر عمل کرنا چاہیئے۔ اسلام بھی منسوخ ہے۔ اس لئے یہ لوگ تو مسیح الاسلام نہ تھے۔ بلکہ ناسخ الاسلام تھے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نصب العین یہ تھا۔ کہ قرآنی شریعت محکم و زندہ اور قائم ہے۔ اور اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔ حضور تحریر فرماتے ہیں :

(الف) "خدا تعالیٰ اس شخص کا دشمن ہے جو قرآن شریف کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہے۔ اور محمدی شریعت کے برخلاف چلتا ہے۔ اور اپنی شریعت چلانا چاہتا ہے۔" (چشمۂ معرفت ص۳۲۴)

(ب) "اب کوئی ایسی وحی یا ایسا الہام منجانب اللہ نہیں ہو سکتا جو احکام فرقانی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کا تبدیل یا تغیر کر سکتا ہو۔ اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعت مومنین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے۔" (ازالہ اوہام ص۱۳۸ ، ص۱۳۹)

اس صورت حالات کی موجودگی میں کوئی انتہائی فریبی یا فریب خوردہ انسان ہی کہہ سکتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب علیہ السلام نے باب و بہاء کے دعویٰ کی نقل کی ہے۔

جب بہاء اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ تو یہ کہنا کہ چونکہ بہاء نے پہلے دعویٰ کر دیا تھا۔ اس لئے انہیں بہر طور سچا مانا جائے گا۔ اور حضرت مرزا صاحب کو بہر حال ان کی نقل کرنے والا ٹھہرایا جائے گا۔ انتہائی غلط بیانی ہے۔ پس ابو ظفر صاحب کے تقدم و تأخر دعویٰ والے سوال کا پہلا جواب تو یہ ہے۔

سچے مسیح موعود سے پہلے جھوٹے مدعیوں کا وجود ضروری تھا

دوسرا جواب ابو ظفر صاحب کے سوال کا یہ ہے کہ مشابہت اور پیشگوئیوں کے مطابق ضروری تھا۔ کہ سچے مسیح موعود سے پہلے کاذب مدعی ظاہر ہوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان سے پہلے بھی بعض جھوٹے مدعی پیدا ہوئے تھے۔ گملی ایل فریسی نے تبلیغ کرنے والے حواریوں کے متعلق کہا تھا کہ

"اے اسرائیلیو! ان آدمیوں کے ساتھ جو کچھ کیا چاہتے ہو ہوشیاری سے کرنا۔ کیونکہ ان دنوں سے پہلے تھیوداس نے اٹھ کر دعویٰ کیا تھا کہ میں بھی کچھ ہوں اور تخمیناً چار سو آدمی اس کے ساتھ ہو گئے تھے۔ مگر وہ مارا گیا۔ اور جتنے اس کے ماننے والے تھے سب تتر بتر ہو گئے اور مٹ گئے۔ اس شخص کے بعد یہوداہ گلیلی اسم نویسی کے دنوں میں اٹھا۔ اور کچھ لوگ اپنی طرف کر لئے وہ بھی ہلاک ہوا۔۔۔۔ الخ (اعمال ۵ ۳۶-۳۸)

پس مسیح موعودؑ کی مسیح ناصریؑ سے مشابہت کے باعث تھیوداس اور یہوداہ گلیلی کے مظہر باب و بہاء کا آپ سے پہلے کاذب مدعی ہونا ضروری تھا۔ پیشگوئیوں میں سے احادیث نبویہ میں تصریح موجود ہے کہ مسیح الدجال پہلے ظاہر ہو گا اور دین اسلام میں نقص پیدا کرنے کی کوشش کریگا اور پھر

مقامِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم

(از جناب مولوی ظفر محمد صاحب ظفرؔ منشی فاضل)

بنگر چہاں بلند مقامِ محمدؐ است — احمد مسیح خلق غلامِ محمدؐ است
ہر یک نظامِ دشمنِ تہذیبِ آدمی — شیرازۂ امان نظامِ محمدؐ است
دیدم بسے کتاب شنیدم بسے کلام — سرتاج ہر کلام. کلامِ محمدؐ است
جنّ و بشر ملائکہ مشتاق نورِ او — بعد از خدا بزرگ مقامِ محمدؐ است

بقیہ صفحہ ۴۰

قابلِ رشک اور عبرت انگیز "غیر مسلم ممالک میں قرآنی تراجم"

اور اسلامی تبلیغ کا کام صرف اسی اصول "نفع رسانی" کی وجہ سے قادیانیت کے بقا اور وجود کا باعث ہی نہیں ہے. ظاہری حیثیت سے بھی اس کی وجہ سے قادیانیوں کی ساکھ قائم ہے. ایک عبرت انگیز واقعہ خود ہمارے سامنے وقوع پذیر ہوا. ۱۹۵۴ء میں جب جسٹس منیر انکوائری کورٹ میں علم اور اسلامی مسائل سے دل بہلا رہے تھے اور تمام مسلم جماعتیں قادیانیوں کو غیر مسلم ثابت کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھیں. قادیانی عین انہی دنوں ڈچ اور بعض دوسری غیر ملکی زبانوں میں ترجمہ قرآن کو مکمل کر چکے تھے. اور انہوں نے انڈونیشیا کے صدر حکومت کے علاوہ گورنر جنرل پاکستان مسٹر غلام محمدؒ اور جسٹس منیر کی خدمت میں یہ تراجم پیش کئے. گویا وہ زبان حال و قال سے یہ کہہ رہے تھے. کہ ہم ہیں وہ غیر مسلم اور خارج از ملت اسلامیہ جماعت جو اس وقت جبکہ ہمیں آپ لوگ "کافر" قرار دینے کے لئے پر تول رہے ہیں. ہم غیر مسلموں کے سامنے قرآن ان کی مادری زبان میں پیش کر رہے ہیں — غور فرمایئے ان لوگوں کا تاثر کیا ہوگا؟ اور قادیانیوں کا یہ کام ان کی زندگی میں کس حد تک ممد و معاون ہے"؟ (المنیر ۲ مارچ ۱۹۵۶ء)

کیا ان حقائق کے باوجود حکیم اشرف صاحب کے لئے سزاوار ہے، کہ وہ کہیں کہ احمدیہ تحریک سے بنا بنایا کچھ بھی نہیں؟

اے کاش یہ لوگ ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی توفیق پائیں. آمین

"حرفِ محرمانہ" پر تبصرہ

(۱)

حرفِ اول کا جائزہ

(الف) ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برقؔ نے اپنی کتاب "حرفِ محرمانہ" کو نہایت **ناصحانہ** انداز میں شروع فرمایا ہے۔ آپ کے بیان کے مطابق ۱۹۵۳ء کے **فسادات** اس کتاب کے لکھنے کے محرک ہوئے تھے۔ برقؔ صاحب کہتے ہیں :۔

"میرے احباب میں ایک خاصی تعداد
احمدی حضرات کی ہے جن سے میرے مراسم
ہمیشہ برادرانہ رہے۔ اور میں نے کبھی محسوس نہ
کیا کہ ہم میں کوئی ذہنی **اختلاف** موجود ہے
جب گزشتہ مارچ ۱۹۵۳ء میں احمدی
حضرات کے خلاف ملک میں ایک **طوفان**
اُٹھا تو میری توجہ اس طرف منعطف ہوئی
اور میں نے جناب مرزا غلام احمدؐ صاحب کی
تصانیف کا مطالعہ شروع کر دیا۔" (ص۹)

ممکن ہے کہ جناب برقؔ صاحب کا یہ بیان درست ہو مگر یہ واقعہ ہے کہ ۲۷-۱۹۲۶ء میں چکوال ضلع جہلم میں برقؔ صاحب نے خاکسار سے احمدیت کے متعلق ایک **پبلک مباحثہ** کیا تھا جبکہ خاکسار اپنے محترم استاد حضرت حافظ **روشن علی** صاحبؓ کی معیت میں ایک تبلیغی دورہ پر چکوال گیا تھا۔

(ب) برقؔ صاحب اپنی کتاب کی ضرورت کے سلسلہ میں رقمطراز ہیں کہ :۔

"آج تک احمدیت پر جسقدر لٹریچر علمائے
اسلام نے پیش کیا ہے اس میں دلائل کم تھے
اور گالیاں زیادہ۔ ایسے دشنام آلود
لٹریچر کو کون پڑھے اور **مغلظات** کون
سنے"۔ ص۱۲

جناب برقؔ صاحب کا انداز ابتدائی صفحات میں تو گوارا ہے۔ مگر درمیانی اور آخری حصہ میں وہ اپنے پیش رو علماء کا تتبع کرتے دکھائی دیتے ہیں کہیں کہیں پہلے لوگوں کے "مغلظات" کو نقل کرتے ہیں مگر مزید "تسلی" کے لئے خود بھی "ایجاد" کرتے ہیں۔ بایں ہمہ یہ احساس بھی اس دور میں لیا **غنیمت** ہے کہ علماء نے احمدیت پر جو **لٹریچر** پیدا کیا وہ دشنام اور گالیوں سے پُر ہے۔

(ج) ہمیں تعجب ہے کہ جناب برقؔ صاحب نے اپنی تصنیف کے ماخذوں میں برنی صاحب کی کتاب "**قادیانی مذہب**" کا نام ذکر نہیں کیا حالانکہ "حرفِ محرمانہ" دراصل برنی صاحب کے جمع کردہ حوالجات کا ایک **مختصر ترین خلاصہ** ہے۔ جس میں جناب برقؔ صاحب نے بعض "ذاتی **علوم**" کی چاشنی شامل کر دی ہے جن کا ذکر آئندہ **صفحات** میں موقعہ بموقعہ ہوتا رہے گا۔

برقؔ صاحب نے **بظاہر** یہ کتاب احمدیوں اور دیگر مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنے کے لئے تحریر کی ہے۔ مگر ۱۹۵۳ء کے حالات میں کتاب کی اشاعت اور اس کتاب کے خد و خال کو دیکھ کر یہ **باور** کرنا **مشکل** نظر آتا ہے۔ تاہم ہمیں کسی کی نیت پر الزام لگانے کا حق نہیں ہے **اللہ تعالیٰ** دلوں کے حالات کو جانتا ہے۔

(د) ہمارے لئے وہ کلمات **بہت خوش آئند** ہیں جو جناب برقؔ صاحب نے اپنی **شخصیت** کے **تعارف** کے لئے دیباچہ میں لکھے ہیں فرماتے ہیں :۔

"میرا اپنا وتیرہ ہمیشہ یہ رہا ہے۔ کہ

یہاں کوئی **معقول بات سُنی فوراً** **قبول کرلی**۔ایک زمانہ تھا کہ میں ہر جدید تصور کا دشمن اور ہر دقیانوسی رسم وعقیدہ کا پرستار تھا۔قبروں پر ماتھے رگڑتا تھا۔ رہبانیت کا قائل تھا۔حرز وافسوں پر گزارہ تھا۔انبیاء کو عالم الغیب، مُردوں کو سمیع و بصیر اور احبار و رہبان کو اپنا رب سمجھتا تھا۔ بعد میں جب مفکرینِ اسلام کے فلسفیانہ دلائل کا مطالعہ کیا تو میرے عقائد کی مضبوط چٹانیں پاش پاش ہو تی گئیں یہاں تک کہ آج میرے دل کی دنیا میں **تباہ شدہ عقائد کے کھنڈرات** دُور افق تک پھیلے ہوئے ہیں۔"

اِس شاعرانہ تخیل سے منفی پہلو تو عیاں ہے۔مگر ان "دور افق تک پھیلے ہوئے کھنڈرات" کے علاوہ اس "دل کی دنیا میں" کوئی مثبت عقائد بھی موجود ہیں یا نہیں؟ "مفکرینِ اسلام کے فلسفیانہ دلائل" نے آپ کے مضبوط عقائد کی چٹانوں کو تو پاش پاش کر دیا مگر کیا خدا اور اس کے رسول کے کلام نے آپ کے دل کی دُنیا میں **صحیح عقائد وحقائق** کو بھی قائم کیا یا نہیں؟ کیا اِن کھنڈرات کے مجموعہ میں یا اس کے گردو پیش کوئی روحانی قصور ومحلات بھی ہیں؟ اگر جناب برق صاحب اپنے "وتیرہ" کے بیان کرنے میں حق بجانب ہیں تو ہم پورے وثوق سے اعلان کرتے ہیں کہ اللہ نے چاہا تو ہمارے یہ جوابات ان کے ان اعتراضات کو بھی جلد کھنڈرات میں تبدیل کر دیں گے جو انہوں نے سلسلہ احمدیہ کے بارے میں اپنے اِس رسالہ میں درج فرمائے ہیں۔

(ھ) دیباچہ میں برق صاحب نے لکھا ہے:۔

"یہاں یہ عرض کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ اس کتاب کے **تمام حوالوں میں انتہائی دیانت** سے کام لیا گیا ہے۔" (ص۱۳)

گویا "تمام حوالوں" میں، اور "انتہائی دیانت" کا دعویٰ ہے۔منطقی طور پر موجبہ کلیہ کا **نقیض** سالبہ جزئیہ ہوتا ہے۔ اسلئے اگر اس جگہ بغرض اختصار ہم صرف **ایک ایسا حوالہ** بتا دیں جس کے پیش کرنے میں برق صاحب نے انتہائی دیانت تو کجا معمولی دیانت سے بھی کام نہ لیا ہو تو "حرفِ اوّل" بلکہ سارے "حرفِ محرمانہ" کی حقیقت کھُل جاتی ہے۔ باقی حوالہ جات پر تو ہم ان کے موقعوں پر گفتگو کریں گے مگر اس جگہ برق صاحب سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ جب انہوں نے دیباچہ میں اعلان کیا ہے کہ ان کے دلائل کی بنیاد "قرآن حمید اور جناب مرزا صاحب کی تحریرات پر" ہے تو انہوں نے ص۳۳ "عجیب الہامات" کے زیرعنوان نمبر چار پر "**ٹریکٹ** ص۳۴ **اسلامی قربانی مصنفہ قاضی یار محمد**" کے حوالہ کو پیش کرنے میں کس دیانتداری سے کام لیا ہے؟

ہم جانتے ہیں کہ عام مخالفین مخبوط الحواس قاضی یار محمد صاحب نورپوری کے بیان کو پیش کر کے **دشنام دہی** کیا کرتے تھے۔ قاضی یار محمد جماعت احمدیہ کے لئے حجت نہیں تھے۔ وہ بے چارے ایک بیمار قسم کے معذور آدمی تھے۔ انہوں نے اگر اپنی بدحواسی میں کوئی جعلی اور ناشائستہ بیان لکھ دیا تھا تو کس عقلمند کے نزدیک یہ انصاف ہے کہ اس بیان کو جماعت احمدیہ کے خلاف استعمال کیا جائے؟ پھر اس بیان میں کسی الہام کا بھی ذکر نہیں۔ یہ بیان سراسر دیوانہ کی بڑ ہے۔ مگر حیرت ہے کہ برق صاحب جو تمام حوالوں میں **انتہائی دیانت** کے مدعی بن رہے ہیں وہ اس دیوانگی کو بڑے شوق سے اپنی کتاب کی زینت بنا رہے ہیں۔ برق صاحب بتائیں کہ کیا یہی وہ انتہائی دیانت کا معیار ہے جس پر ان کو فخر ہے؟ منطقی قانون کے مطابق تو یہی ایک حوالہ برق صاحب کی "انتہائی دیانت" کو پاش پاش کرنے کے لئے

کافی ہے مگر قارئین مطمئن رہیں کہ برق صاحب کی ایسی "انتہائی دیانت" کی اور بھی متعدد مثالیں آئندہ صفحات میں آنے والی ہیں۔

(ق) دیباچہ میں برق صاحب نہایت معصومانہ طریقہ سے پوچھتے ہیں:۔

"احمدی بھائیوں اور دیگر مسلمانوں میں مجھے بظاہر کوئی اختلاف نظر نہیں آتا۔ ان کا قبلہ ایک۔ طریق عبادت ایک۔ تمدن ایک۔ معاشرت ایک۔ قانون ایک۔ نقد ایک۔ تو پھر یہ تصادم کیوں ہو؟ کیوں ایک دوسرے سے الجھ کر دنیا کو تماشہ دکھائیں اور پاکستان میں انتشار کی آگ بھڑکائیں؟"

ایسے ہی موقعہ کے لئے سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا مقولہ ہے "کلمۃ حق ارید بھا الباطل"۔ برق صاحب سب کچھ جاننے کے باوجود انجان بن رہے ہیں تصادم کرانے والے، دنیا کو تماشہ دکھانے والے اور انتشار کی آگ بھڑکانے والے وہی لوگ ہیں جو اسلام کے اصول لا اکراہ فی الدین کو پس پشت پھینک کر ضمیر کی آزادی چھین کر جبر کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو برق صاحب خوب جانتے پہچانتے ہیں۔ باقی رہے اصول اتحاد سو یہ بیان برق صاحب کا درست ہے مگر اس میں بھی اتنی زیادتی برق صاحب کی ہے کہ انہوں نے "احمدیوں اور دیگر مسلمانوں" کا لفظ استعمال فرما کر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ باقی مسلمان تو بہرحال متحد ہیں علیحدگی صرف احمدیوں کی طرف سے ہے۔ حالانکہ ان اصول اتحاد کے باوجود ہزار سال سے زائد عرصہ میں "دیگر مسلمانوں" کے بہتر فرقے بن چکے ہیں۔ ع

عاقل را اشارہ کافیست

(ش) جناب برق صاحب تحریر کرتے ہیں:۔

"اس کتاب میں دلائل کی بنیاد صرف دو چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ اوّل قرآن حمید پر۔ کہ اسے احمدی وغیر احمدی سب تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ دوم جناب مرزا صاحب کی تحریرات پر کہ وہ احمدی بھائیوں کے ہاں واجب الایمان ہیں۔

احادیث من حیث المجموع نہ میرے ہاں سند ہیں نہ احمدی حضرات کے ہاں جناب مرزا صاحب صرف ایسی احادیث کو قابل اعتبار سمجھتے ہیں جو قرآن کے خلاف نہ ہوں۔ اور جن کی تائید دیگر احادیث سے بھی ہوتی ہو اور یہی مسلک میرا ہے" (ص۱۳)

ان حالات میں حق یہ تھا کہ برق صاحب اپنے دلائل کی بنیاد صرف قرآن مجید پر رکھتے جو سب کو مسلّم ہے اور جس کی صحت وغیرہ کے متعلق کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ وہ اپنے ماحول اور واقعیت کے لحاظ سے ایسا نہ کرسکتے تھے۔ حضرت مرزا صاحب کی تحریرات احمدیوں کے نزدیک زیادہ سے زیادہ احادیث صحیحہ ثابتہ کے درجہ پر ہیں جب برق صاحب صرف قطعی اور یقینی کلام الٰہی پر بنیاد رکھنا چاہتے تھے تو صحیح طریق یہ تھا کہ قرآن مجید پر بنیاد رکھتے ہیں۔ اور مزید حجت کے طور پر زیادہ سے زیادہ اس وحی اور الہام کو پیش کردیتے جو احمدیوں کے عقیدہ کے مطابق حضرت مرزا صاحب پر منجانب اللہ نازل ہوا ہے۔ اس اصولی تبصرہ کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی ذکر کردینا مناسب سمجھتے ہیں کہ برق صاحب نے دیباچہ میں جس پابندی کا دعویٰ کیا ہے اس پر چند قدم بھی قائم نہیں رہ سکے۔ بلکہ عام مخالفین کے انداز پر اُتر آئے ہیں۔ بہرحال ہم ساری کتاب پر تبصرہ کررہے ہیں وباللہ التوفیق۔

(ح) دیباچہ میں تعیین موضوع کے طور پر جناب

برقی صاحب نے لکھا ہے:-

"طرفین میں مابہ النزاع ختم نبوت کا مسئلہ ہے۔ علمائے اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام پر نبوت ختم ہو چکی ہے اور علمائے قادیان اجرائے نبوت کے قائل ہیں۔ اس مسئلے کا فیصلہ صرف اسی طرح ہو سکتا ہے کہ اگر علمائے احمدیت کی رائے صحیح ہو تو ہمیں سپر ڈال دینا چاہیئے اور اگر غلط ہو تو وہ دیگر مسلمانوں کے ہم آہنگ ہو جائیں۔" (صفحہ ۱)

ہم پورے زور کے ساتھ جناب برق صاحب کے اس بیان سے اختلاف کرتے ہیں۔ یہ ہرگز درست نہیں کہ جماعت احمدیہ اور دوسرے مسلمانوں میں ختم نبوت کا مسئلہ مابہ النزاع ہے۔ یہ تو برق صاحب کے "مصنوعی اختلافات" میں سے ایک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ احمدیوں اور دوسرے مسلمانوں میں ختم نبوت کے مسئلہ کے بارے میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے کیونکہ:-

(۱) طرفین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یقین کرتے ہیں۔

(۲) طرفین کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شریعت لانے والا نبی نہیں آسکتا خواہ وہ نیا ہو یا پرانا۔

(۳) طرفین کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے امتی کے طور پر ایک عظیم نبی آنے والا ہے جو مسیح موعود ہے۔ وہ بغیر نئی شریعت کے ہوگا اور قرآن مجید کا اتباع کرے گا۔

ان ہر سہ اتفاقات کے بعد کون سا عقلمند منصف مزاج کہہ سکتا ہے کہ احمدیوں اور دوسرے مسلمانوں میں ختم نبوت کا مسئلہ مابہ النزاع ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی امت کی اصلاح کے لئے اور اسلام کے دفاع کی خاطر احمدی اور غیر احمدی مسیح موعود کی بعثت کے قائل ہیں۔ آنے والا مسیح موعود دونوں فریق کے نزدیک نبی ہے اس کی نبوت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مگر چونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہوگا اور قرآنی شریعت پر لوگوں کو چلائیگا اس لئے ایسے نبی کے آنے میں دونو فریق کے نزدیک کوئی حرج نہیں۔ بتلایئے جہاں تک مسئلہ ختم نبوت کا تعلق ہے کیا احمدی جماعت اور دوسرے مسلمانوں میں ہم آہنگی ہے یا نہیں؟ یقیناً دونو اصل عقیدہ میں متفق ہیں صرف اختلافی بات یہ ہے کہ امت کا مسیح موعود بنی اسرائیل کا فرد حضرت عیسیٰ بن مریمؑ ہوگا۔ یا آنحضرت کا امتی غلام احمدؑ ہوگا۔

ہمیں یہ پوچھنے کا حق ہے کہ جناب برق صاحب اصل اختلافی موضوع سے گریز کر کے ختم نبوت کو مابہ النزاع کیوں ٹھہرا رہے ہیں؟ پھر بتایا جائے کہ اس سے مزید ہم آہنگی کے مطالبہ کے معنے بجز اس کے اور کیا ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تمام نبیوں سے نرالے طور پر انیس سو برس سے خاکی جسم کے ساتھ آسمانوں پر زندہ مان لیا جائے؟ اگر یہی معنے ہیں تو پھر ماننا پڑیگا کہ طرفین میں اصل مابہ النزاع حیات و وفات مسیح علیہ السلام کا مسئلہ ہے۔ مگر برق صاحب ادھر کا رُخ نہیں کرتے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جماعت احمدیہ اور دوسرے لوگوں میں اصل نزاع صرف حضرت عیسیٰؑ کی زندگی اور وفات کے بارے میں ہے۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت مسیح بن مریمؑ ایسے جلیل القدر نبی کی ضرورت اور آمد کے سب قائل ہیں۔ مگر چونکہ حیات مسیحؑ کے مسئلہ میں ثبوت کے علاوہ جذباتی طور پر بھی علماء کو کسی قسم کی کامیابی کی امید نظر نہیں آتی۔ اس لئے وہ محاذ بحث بدل کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ احمدیہ تحریک سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کو خطرہ ہے۔ حالانکہ یہ محض مغالطہ اور سفسطہ ہے۔ (باقی پھر)

حضرت مسیح علیہ السلام کے گمشدہ فرامین کی دریافت

چوتھی صدی کے قدیم مسودے کا انکشاف

ترجمہ از پاکستان ٹائمز لاہور مورخہ ۲۸ اپریل ۵۹ء

(مترجم عطاء الکریم صاحب شاہد بی - اے)

"قاہرہ ۲۳ اپریل۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے پندرہ سو برس تک گمشدہ اقوال کا قدیم قاہرہ کے قبطی عجائب گھر میں انکشاف کیا گیا۔

اب تک حضرت مسیح علیہ السلام کے ایک سو چودہ (۱۱۴) نامعلوم اقوال ایک قدیم دستاویز پر لکھے ہوئے پائے گئے ہیں۔ جو چوتھی صدی سے متعلق ہے اگرچہ شاید ان اقوال میں گذشتہ صدیوں میں رد و بدل کر دیا گیا ہے مگر دریافت شدہ اقوال حضرت مسیح علیہ السلام کے ہی فرمائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن انہیں عہد نامۂ جدید میں درج نہیں کیا گیا۔

قدیم مصری قبطی زبان میں لکھے ہوئے یہ مسودات ۱۹۴۶ء میں جنوبی مصر سے ناگ حمدی کی ایک خانقاہ کے کھنڈرات سے دستیاب ہوئے تھے۔ قانونی وجوہات کی بنا پر ان مسودات کا مطالعہ دس برس تک معرضِ التواء میں پڑا رہا لیکن ۱۹۵۶ء میں ڈاکٹر پاہر لبیب ڈائریکٹر قبطی عجائب گھر نے ان اقوال کو جدید زبانوں میں ان کے تراجم سمیت شائع کر دیا ہے۔

"توما کی انجیل" کے نام سے ان قدیم تحریرات کی شناخت کی گئی ہے۔

باور کیا جاتا ہے کہ یہ تحریرات "متذبذب توما" نے لکھی تھیں جو کہ بارہ حواریوں میں سے ایک تھے۔ قاہرہ میں پائے جانیوالے مسودات چوتھی صدی سے متعلق ہیں لیکن ڈاکٹر لبیب کا کہنا ہے کہ قبطی زبان میں یہ اقوال اغلباً دوسری صدی میں تحریر کئے گئے تھے۔ آپ نے کہا ہے کہ اسوقت یقیناً ان کا ترجمہ یونانی زبان سے کیا گیا ہوگا جو کہ عہد نامہ جدید کی زبان ہے اسی طرح وہ مسودات تمام مصری باشندے پڑھ سکتے تھے۔ غنسطوس (گیان کے نتیجہ میں نجات کے عقیدہ کے حامل عیسائی) فرقہ کے افراد جو کہ ابتدائی زمانہ میں مذہب عیسوی کے مسلمہ عقائد کے مخالف تھے نے ان مسودات کو قبطی زبان میں منتقل کیا تھا۔ یہ لوگ حصولِ نجات کے لئے ایمان کی بجائے علم پر زور دیتے تھے۔

اقوال کی دو اقسام!

ڈاکٹر لبیب نئی دریافت شدہ انجیل میں دو قسم کے اقوال کی نشاندہی کرتے ہیں۔ عہد نامۂ جدید سے مشابہ اقوال اور مجازات۔ انہیں یقین ہے کہ یہ مشابہ اقوال اس انداز سے لکھے گئے تھے کہ انہیں قبطی زبان بولنے والے مصری عہد نامۂ جدید کی عالمانہ قسم کی یونانی زبان کے مقابلہ پر زیادہ آسانی سے سمجھ سکتے تھے۔

ڈاکٹر لبیب کہتے ہیں کہ یہ قبطی مسودات عام لوگوں کی روزمرہ کی زبان میں تحریر کئے گئے ہیں۔

ڈاکٹر لبیب نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ قبطی ہمیشہ عوام کی زبان رہی ہے لیکن یہ کبھی بھی حکمرانوں کی زبان نہ تھی حضرت مسیح علیہ السلام کے وقت مصر اور اسی طرح فلسطین میں یونانی زبان

تہذیب اور دقیق بحث کی زبان تھی۔ یہ قبطی اقوال نہ صرف عوام کی زبان میں لکھے گئے بلکہ ان اصطلاحات میں رقم کئے گئے جنہوں نے اِن اقوال کو عوام کے نزدیک معنی خیز بنا دیا۔

آج قبطی زبان قدیم مصر اور بیسویں صدی کے درمیان آخری قائم و دائم رشتے کی حیثیت سے باقی ہے۔ مصر کا قبطی کلیسیا اپنی دعا کے طریق کے ضمن میں قبطی زبان کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ ڈاکٹر للیبب کا کنبہ اُن معدودے چند خاندانوں میں سے ایک ہے جو اب بھی قبطی کو روزمرہ کی گفتگو میں استعمال کرتے ہیں۔ عربی نے عرصہ دراز سے مصر میں قبطی زبان کی جگہ لے لی ہے

ڈاکٹر للیبب نے عہد نامہ جدید سے مشابہ اقوال کے علاوہ کئی اقوال کا ترجمہ کیا ہے جو تشریح کے لئے بظاہر لازماً ایک خاص کلید کے ذریعے پڑھے جانے چاہئیں۔ یہ اقوال اُن تمثیلات پر مشتمل ہیں جنہیں ظاہراً اغنسطوسی عیسائی ہی سمجھ سکتے ہیں۔

مسوّدات کی کلید

اِن تحریرات کی کلید کو دریافت کرنے کی ضرورت کے حوالے سے اِن اقوال کا ایک دیباچہ دیا گیا ہے:-

"یہ خفیہ اقوال حضرت مسیح علیہ السلام نے کہے ہیں
جو زندہ ہیں اور Didymous نے
انہیں لکھا ہے اور کہا کہ "جو کوئی بھی اِن الفاظ
کی توضیح کو پالے گا وہ موت کو نہیں چکھے گا"

کئی علماء کا اندازہ ہے کہ یہ مسوّدات ابتدائی عہد پہ روشنی ڈالنے کے نقطۂ نظر سے عہد حاضر کا غالباً اہم ترین انکشاف ہیں۔ مثال کے طور پر اصل مسوّدات کے تقریباً مکمل فقدان کے باعث اغنسطوسی فرقہ کے متعلق انتہائی قلیل معلومات ہیں۔ اس سے قبل علماء کو اغنسطوسیوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے اس دَور کے کٹر عیسائی مورخین کے حوالوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ جنہوں نے کہیں کہیں اغنسطوسیوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ عیسائی مصنفین اُن پر حملے کیا کرتے تھے۔ اور ان مصنفین کی تحریرات انتہائی متعصبانہ ہیں۔

اب اِن قبطی مسوّدات کے انکشاف کے نتیجہ میں علماء اغنسطوسیوں کو خود ان کی تحریرات کی روشنی میں مطالعہ کر سکیں گے۔

توما کی انجیل قبطی مسوّدات میں سے صرف ایک دستاویز ہے جو کہ مٹی کے ایک مرتبان میں پائے گئے۔ اکثر قدیم مصری تحریرات کی طرح یہ بھی پتوں پر لکھے گئے ہیں۔ تاہم ان میں سے بعض پر چمڑے کی جلد کی گئی ہے۔ اور ڈاکٹر للیبب کا کہنا ہے کہ دریافت ہونے والی چمڑے کی یہ جلد قدیم ترین ہے۔

بعض مسوّدات کو کیڑا لگ جانے کی وجہ سے نقصان پہنچا ہے۔ چند اوراق غائب ہیں اور کچھ صفحات ترتیب سے نہیں ہیں۔ تاہم بحیثیتِ مجموعی یہ مسوّدات خوب اچھی طرح محفوظ اور آسانی سے پڑھے جانے کے قابل ہیں۔"

ضروری گزارشات

(۱) ایسے تمام خریداران کو جو اپنا سالانہ زر اشتراک بذریعہ بذریعہ امانت صدر انجمن ادا کرتے ہیں چاہیئے کہ وہ انتقال امانت کی اطلاع دفتر الفرقان کو بھی دیا کریں تا کہ جلد از جلد رقم ان کے حساب میں درج ہو سکے۔

(۲) خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر یا خط کا حوالہ ضروری ہے بصورت دیگر جواب میں تاخیر لازمی امر ہے۔

(۳) جواب طلب امور کیلئے جوابی خط آنا ضروری ہے۔

(۴) رسالہ نہ ملنے کی اطلاع رسالہ پوسٹ ہونے کے ۱۰ دن بعد تک آنی چاہیئے۔ اسکے بعد آنے والی درخواستوں پر دوبارہ غولہ نہیں بھیجا جا سکتا۔

(۵) آئندہ "سالانہ چندہ" کی بجائے "قیمت اشتراک" کا لفظ استعمال کیا جائے تا کسی قسم کی غلط فہمی پیدا ہو (مینجر الفرقان ربوہ)

شذرات

(۱) البیان یعنی ترجمہ و تفسیر کے متعلق مشورہ

رسالہ الفرقان میں جو ترجمہ قرآن مجید تفسیری حواشی کیساتھ البیان کے عنوان سے شائع ہو رہا ہے اسے تمام حلقوں میں پسند کیا جا رہا ہے۔ گزشتہ اشاعت میں جو تجویز طبع ہوئی تھی اس پر متعدد احباب نے اپنی آراء کا اظہار فرمایا ہے۔ تجویز یہ تھی۔ کہ آئندہ (سورہ بقرہ کا ترجمہ ختم ہو جانے پر) البیان کو مسلسل صفحات پر اس طرح شائع کیا جائے کہ بعد میں انہیں ایک جلد میں اکٹھا کر لیا جائے۔ اسی سلسلہ میں مولوی عبدالباسط صاحب فاضل کراچی سے لکھتے ہیں:۔

"البیان کا سلسلہ بہت مفید اور عمدہ ہے لیکن میرے خیال میں رسالہ کا کاغذ اس قابل نہیں کہ اس سے مستقل کتابی صورت میں فائدہ اٹھایا جا سکے۔ یہ مقصد تو الگ اشاعت سے ہی پورا ہو سکے گا۔ یا پھر اس ایک جزو کا کاغذ نسبتاً بہتر کر دیا جائے اور سورہ بقرہ کا ترجمہ مکمل ہو جانے پر اسے بھی الگ اسی سائز پر شائع کر دیا جائے۔"

ایک تجویز یہ بھی آئی ہے کہ البیان کے صفحات زیادہ کئے جائیں۔ کیونکہ رسالہ الفرقان کا اصل مقصد اشاعت قرآن کریم ہے۔ ایک دوست کی تو یہ رائے ہے کہ اس ترجمہ اور تفسیری حواشی کو جلد سے جلد مکمل کیا جائے خواہ دوسرے اکثر مضامین کو روک دیا جائے۔

قارئین کرام غور کر کے اس بارے میں اپنی آراء سے مطلع فرما دیں تا ایک فیصلہ کر کے اسے عملی جامہ پہنایا جا سکے۔

(۲) الفرقان کے لئے تشویش

سات جون کو ایک دوست تحریر فرماتے ہیں:۔

"راقم السطور کئی ماہ سے آپ کے پرچہ کا مطالعہ کر رہا ہے۔ جس میں کافی معلوماتی مواد موجود ہوتا ہے۔ شاید آپ کو علم نہیں کہ اس پرچہ کا کتنی بے چینی سے انتظار رہتا ہے۔ آج سات تاریخ ہو گئی مگر اب تک پرچہ نہیں ملا۔ تشویش ہے۔ اور خاص طور سے اس لئے کہ اس مرتبہ "حرف محرمانہ" پر تبصرہ ہونے والا تھا۔ میں احمدی جماعت سے تعلق نہیں رکھتا۔"

ایسے احباب کی خدمت میں عرض ہے کہ ہم مقدور بھر کوشش کرتے ہیں کہ رسالہ مقررہ تاریخ پر شائع ہو۔ مگر بعض ناگزیر موانع پیش آ جاتے ہیں۔ انہی مجبوریوں کے باعث یہ نمبر جون اور جولائی کا اکٹھا شائع ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اشاعتِ دین میں ہماری نصرت فرمائے آمین

(۳) اولاد کا حق وراثت

ایک خریدار صاحب دریافت کرتے ہیں کہ اگر اولاد نافرمان ہو اور باپ سے بدسلوکی کرے تو کیا وہ پھر بھی باپ کے مرنے کے بعد اسکی جائداد کی وارث ہو گی؟

الجواب۔ ورثہ کیلئے اللہ تعالیٰ نے اولاد ہونا بنیاد قرار دیا ہے اسلئے جبتک شرعی وجہ پیدا نہ ہو اور اولاد ہونے کے حق سے بچے شرعاً محروم نہ ہو جائیں انہیں جائداد میں ورثہ ملیگا۔ البتہ اولاد کا فرض ہے کہ جب وہ باپ کی وارث بننے والی ہے تو اسکے حقِ ابوت کو بھی ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے والدین کا بہت بڑا حق قرار دیا ہے اور یہ بچے بھی کل کو اپنے بچوں کے باپ بنیں گے سب کو خدا ترسی سے کام لینا چاہیئے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ

حضرت مولوی فرزند علی صاحب رضی اللہ عنہ سابق امام مسجد لندن

حضرت مولوی صاحب موصوف ایک نہایت متدین اور بیدار مغز خادم سلسلہ تھے عرصہ ملازمت میں بھی انسانی خدمت آپکا شعار تھا اور سرکاری ملازمت سے پنشن کے بعد تو آپ سراسر خدمت دین کیلئے وقف تھے علمی ترقی کا خاص شغف رکھتے تھے۔ دینی معلومات میں اضافہ کے لئے دن رات مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ عبادات میں نہایت باقاعدہ اور قابل تقلید نمونہ تھے۔ اولاد کی تربیت کو خاص طور پر مد نظر رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں حضرت ڈاکٹر بدرالدین صاحب لودھی جناب شیخ محبوب عالم صاحب خالد اور جناب شیخ مبارک احمد صاحب بی۔ اے ایسے ہونہار اور خادم دین بچے عطا فرمائے تھے۔

آپ کو یہ بھی توفیق نصیب ہوئی کہ آپ ایک عرصہ تک لندن میں تبلیغ اسلام پر مامور رہے اور بفضلہ تعالیٰ نہایت کامیاب ثابت ہوئے۔

میرے علم کے مطابق حضرت مولوی فرزند علی صاحبؓ میں تقویٰ کے ساتھ عمدہ انتظامی قابلیت بھی تھی۔ ہر کام میں بیداری کو مقدم رکھتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ نیکیوں کا ایک حصہ انکی نظروں سے اوجھل رہے۔ علوم دینیہ کے عالمین سے عمر کے تفاوت کے باوجود استفادہ کرتے اور ان کی تکریم کرنے میں سعادت محسوس کرتے تھے۔ مجھے بہت سے مواقع پر انکے اعلیٰ اخلاق اور عمدہ کردار کے تجربہ کا موقعہ ملا ہے۔

حضرت مولوی صاحب کی وفات گو لمبی عمر پا کر ہوئی جو عام طور پر طبعی سمجھی جاتی ہے مگر ایسے مخلص، ہمدرد خلق اور دینی روح سے لبریز دل والے بزرگ کا اٹھ جانا بہت بڑا اجتماعی صدمہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حضرت مولوی صاحب مرحوم کو اپنی رحمت کی آغوش میں لے اور اپنے فضل سے انہیں اعلیٰ علیین میں اپنے دین کے سچے عاشقوں میں بلند مقام بخشے اور انکے پسماندگان کا حامی و ناصر ہو۔ آمین یا رب العالمین +

حضرت چوہدری محمد عبد اللہ خان صاحب رضی اللہ عنہ سابق امیر جماعت احمدیہ کراچی

حضرت چوہدری صاحب موصوف ایک پُرجوش اور دُور رس مخلص دیندار وجود تھے۔ اگرچہ وہ آخری دن تک سرکاری ملازمت میں رہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا وہ خاص فضل جو حضرت چوہدری نصر اللہ خان صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ کے گھرانے پر ہو رہا ہے اسمیں سے دین کا ایک نمایاں حصہ چوہدری عبد اللہ خان صاحبؓ کو بھی نصیب ہوا۔ آپ کی طبیعت میں نمود و نمائش سے نفرت تھی۔ آپ اپنے جملہ حلقہ ہائے احباب میں مجلس کی رونق تھے۔ طبیعت میں شگفتگی اور زندہ دلی تھی مگر اس کے ساتھ ساتھ دینی غیرت بھی بہت غالب تھی۔ کمزور و نحیف جسم کے باوجود روح کی بالیدگی کا نتیجہ تھا کہ آپ کو ہر موقعہ پر نمایاں خدمت سلسلہ کا موقعہ ملا۔

مجھے حضرت چوہدری صاحب سے بہت دیرینہ تعلق ہے اور اس سارے تعلق کی بنیاد باہمی جذبۂ خدمت دین پر تھی۔ جب میں فلسطین گیا تھا (۱۹۳۱ تا ۱۹۳۶ء) تو محترم چوہدری صاحب نے ایک خوبصورت جانماز تحفۃً پیش کیا اور کہا کہ نمازوں میں میرے لئے دعا کرتے رہیں۔

یہ بات بہت رنجدہ ہے کہ حضرت چوہدری صاحب مرحوم کو لمبی بیماری کے ساتھ آخری مہینوں میں بہت ذہنی کوفت بھی اٹھانی پڑی۔ انکی اہلیہ محترمہ اور سعادتمند بچوں نے حضرت چوہدری صاحب کی بیماری میں مثالی رنگ میں ان کی خدمت کی ہے۔

جماعت احمدیہ کراچی کے خاص امتیازی مقام میں چوہدری صاحب مرحوم کا بہت ہی نمایاں حصہ ہے۔ ان کا یہ صدقہ جاریہ ان کیلئے ہمیشہ موجب ثواب ہوگا۔

ارحم الراحمین کی بارگاہ میں عاجزانہ عرض ہے کہ وہ اپنے بندے "عبد اللہ خان" کو قرب خاص عطا فرمائے اور دین کے غیور خادموں میں جنت الفردوس میں بلند مرتبہ بخشے اور انکی اہلیہ اور بچوں کو اپنے فضلوں سے نوازے۔ آمین یا رب العالمین +

ابو العطاء جالندھری

۵ / جولائی ۱۹۵۹ء

مطب

حکیم خورشید احمد ممتاز الاطباء گول بازار ربوہ

میں

۱- یونانی طریق علاج کے مطابق تمام بیماریوں کا علاج پورے غور سے کیا جاتا ہے۔

۲- تشخیص و تجویز نئی اور پرانی سائنس کو مدنظر رکھ کر کی جاتی ہے۔

۳- پرانی پیچیدہ اور مردوں اور عورتوں کی خاص بیماریوں کے علاج کے لئے بہترین ادویہ موجود ہیں۔

لہٰذا

اپنی صحت کے متعلق مشورہ کے لیے مطب میں تشریف لائیے یا بذریعہ خط و کتابت مشورہ طلب فرمائیے!

عورتوں کے معائنہ کے لئے علیحدہ انتظام ہے

المشتہر مینیجر مطب حکیم خورشید احمد صاحب گول بازار ربوہ

خورشید یونانی دواخانہ

~~~ گول بازار ربوہ ~~~

۱- اس دواخانہ میں آپ کو تازہ صاف ستھری اور خالص ادویہ مل سکیں گی۔

۲- ہر قسم کے دیسی مرکبات معجون اور شربت وغیرہ پورے اور خالص اجزاء سے تیار کئے جاتے ہیں

اسلئے

اپنی تمام طبی ضروریات کے لئے ہماری طرف رجوع فرماویں۔ آپ تجربہ کے بعد اس دواخانہ میں اپنی طبی ضرورت کو اپنی خواہشات کے مطابق موجود پائیں گے انشاءاللہ

مینیجر خورشید یونانی دواخانہ گول بازار ربوہ پاکستان

نور کاجل

- آنکھوں کو بیماری سے محفوظ رکھتا ہے۔
- بیمار آنکھوں کا علاج ہے۔
- گرمیوں میں ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔
- آنکھوں کو گرد و غبار سے صاف کرتا ہے۔
- آنکھوں میں خوبصورتی اور چمک پیدا کر کے چہرہ کے حسن میں اضافہ کرتا ہے۔
- خارش، پانی بہنا، ہیمنی اور ناخونہ کا بہترین علاج ہے۔

بیسیوں جڑی بوٹیوں کے جوہر سے تیار کیا گیا ہے اور پچیس سالہ استعمال و تجربہ کے بعد پیش کیا جا رہا ہے۔

لہٰذا

اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی آنکھوں کو خوبصورت رکھنے کے لئے ہمیشہ

نور کاجل

استعمال کریں۔

بوقت ضرورت ایک ایک سلائی آنکھوں میں ڈالیں۔

قیمت فی شیشی ~~~ ایک روپیہ چار آنے

علاوہ پیکنگ و محصول ڈاک

تیار کردہ

خورشید یونانی دواخانہ

گول بازار ربوہ
~~~

الفردوس کلاتھ مرچنٹ

انارکلی لاہور

سے

ہر قسم کا سوتی، ریشمی اور اونی کپڑا خریدیں۔

پہلے سے زیادہ آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔

تشریف لائیے ——— تجربہ شرط ہے

الفردوس کلاتھ مرچنٹ انارکلی لاہور

طابع و ناشر: ابو العطاء جالندھری ۔ مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ ۔ مقام اشاعت: دفتر الفرقان احمد نگر، ربوہ ضلع جھنگ